۲۱ دفتر امامیہ مشن - حسین آباد - لکھنؤ

امامیہ مشن کا ۱۲ بارھواں تبلیغی رسالہ

بہ سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت ۴؍ اگست سنہ ۱۹۳۳ء خرچہ ڈاک ۱؍

امامیہ مشن بلڈنگ فنڈ
اور
اسکی ضرورت

بحمداللہ آپکا دینی و تبلیغی مشن جس طرح ترقی کے منازل طے کر رہا ہے اُس کی اطلاعات آپکو اخبارات کے ذریعہ سے معلوم ہوتی رہتی ہونگی۔ اس قلیل عرصہ میں بارہ رسالے اور اُن میں سے اکثر کے دو دو اور تین تین ایڈیشن شایع کیئے جاچکے ہیں نتیجتاً ذخیرۂ رسائل کے ساتھ ساتھ دیگر کاغذات دفتر کا انبار بھی بڑھ رہا ہے اور اب یہ ضرورت بڑی طرح محسوس ہو رہی ہے کہ مشن کے دفتر کو کسی وسیع عمارت میں منتقل کیا جائے، یہ ممکن ہے کہ کرایہ کا مکان لیکر کام چلایا جائے مگر اس طرح آپ خود غور فرما سکتے ہیں کہ چند ہی سال میں کرایہ کی مجموعی رقم اس قدر ہو جائے گی جسمیں کہ ایک مناسب حال عمارت تیار ہو سکتی ہے، لہذا میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اس عزیز مہمان کو اپنے گھر سے خود اس ہی کی ذاتی عمارت میں رخصت کرونگا اور اسی غرض کیلئے اس فنڈ کو جاری کیا ہے، امید ہے کہ افراد قوم اس اہم ضرورت کو پورا کرنے میں میری کسی ممکن امداد سے دریغ نہ فرمائینگے اور عنداللہ عندالرسولؐ ماجور ہونگے اس فنڈ میں قلیل سے قلیل رقم بھی شکریے کے ساتھ قبول کیجاویگی اور اسکا اخبارات میں برابر اعلان ہوتا رہیگا۔

الداعی الی الخیر
سید ابن حسین عفی عنہ
سکریٹری امامیہ مشن۔ لکھنؤ۔

(مصنفہ)

عالیجناب سید العلماء مولانا مولوی سید علی نقی صاحب قبلہ

مجتہد العصر مدظلہ

امامیہ مشن لکھنؤ کی بارھوین دینی خدمت

اسلام اور تجارت

حضرات، یہ رسالہ جو آپ کے پیش نظر ہے درحقیقت اُن چار معرکۃ آرا تقریرون کا خلاصہ ہے جو حضرت سید العلماء دام ظلہ نے "امراض قومی اور اُنکا علاج" کے موضوع پر مدرسۃ الواعظین کے بیرونی وسیع میدان مین بتاریخ ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ فرمائی تھین اور افراد قوم کی ذہنیت مین نمایان انقلاب اور عملی نتایج پیدا کرنے مین کامیاب ثابت ہوئین۔ اسکے بعد یہ مسلسل طور پر معزز اخبار سرفراز کی ۹ اشاعتون مین شایع ہوئین اور اب بیرونی حضرات کے بذریعہ خطوط توجہ دہانی اور نیز ضرورت وقت کے احساس کی بناء پر ہم اونکو بطور رسالہ شایع کرتے ہین اور اُمید کرتے ہین کہ افراد قوم اس کو کثیر سے کثیر تعداد مین خرید فرماکر خود ملاحظہ کرینگے اور اپنے احباب کو اسکے مضامین پر مطلع فرمائین گے اور اُنکو عملی اقدام اور جد وجہد پر آمادہ کرینگے جو ان بیانات کا حقیقی مقصد ہے۔ والسلام۔

خادم ملت سید ابن حسین
سکریٹری امامیہ مشن

ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

تمہید

امراض قومی اور انکا علاج

دواؤک فیک ولا تبصر | وداؤک منک ولا تشعر
وتزعم انک جرم صغیر | وفیک انطوی العالم الاکبر

حضرات! جیسے نور و ظلمت، سیاہی اور سفیدی۔ حرارت و برودت، ویسے ہی صحت و مرض دو متضاد حالتیں ہیں۔

ایک ذی روح کے جسم کا حد اعتدال میں ہونا ہر قوت کا اپنے پیانہ پر کام کرنا اور ہر پرزہ کا ٹھیک طور سے مصروف عمل ہونا صحت ہے اسی جسم کا اپنی مزاج فطری سے ہٹ جانا کسی قوت کے کام میں نقصان پیدا ہو جانا کسی پرزہ کا معطل ہو جانا یا کم از کم اپنے کام کو ٹھیک طور پر انجام نہ دینا مرض ہے۔

مرض کا علاج اگر شروع ہی شروع میں کر لیا جائے تو اکثر اُسکا برطرف ہو جانا آسان ہوتا ہے۔ لیکن جب مرض دیرپا ہو جائے اور اُس کی جڑیں طبیعت کے

اندر جم جائین تو پھر اُس کا علاج دشوار ہوتا ہے۔ یا کبھی غیر ممکن العلاج بنجاتا ہے مگر امراض سب یکسان نہین ہوتے۔ بعض ایسے ہوتے ہین کہ انسان کو خود اسکا بین طریقہ پر احساس ہو جاتا ہے جیسے اُٹھا ہوا درد یا ٹپکتا ہوا پھوڑا، وہ فطری تکلیف اور وجدانی اذیت جو حاصل ہوتی ہے وہی انسان کو اُس کا پتہ دیدیتی ہے لیکن بہت سے امراض ایسے ہوتے ہین۔ جنکا نتیجہ اتنے محسوس طریقہ پر ظاہر نہین ہوتا کہ انسان فورًا اُس کو سمجھ لے بلکہ اکثر ابتدائی منزل مین کہ جب اسکا علاج آسان ہی اُسکا اندازہ نہین ہوتا اور جس وقت خبر ہوتی ہے اُس وقت وہ قابل علاج ہونے کی حد سے گذر چکتا ہے اور علاج اُسکا دشوار یا ناممکن ہو چکا ہوتا ہے جیسے دق کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر پہلے درجہ مین اُسکی اطلاع ہو جائے تو فورًا علاج آسان ہے اور اگر دوسرے درجہ مین خبر ہو تو علاج مشکل ہے اور تیسرے درجہ مین انتہائی مشکل لیکن افسوس ہے کہ اس مرض کا احساس اکثر اُسی وقت ہوا کرتا ہے کہ جب وہ دوسرے یا تیسرے درجہ کی حد تک پہونچ چکا ہے اُس وقت خبر بھی ہوئی تو کیا فائدہ، اس لئے کہ علاج کا وقت گذر چکا ہوتا ہے اس کے لئے بے شک ضرورت اسی بات کی ہے کہ انسان ماہر ترین اطبا کی طرف رجوع کرکے اپنی جانچ کرائے اور اُنکے ہدایات پر عمل کرے اور اُسکے لئے یہ ضروری امر ہے کہ اگر طبیب اُسکی بیماری کا احساس کرکے حکم لگادے کہ وہ بیمار ہے تو یہ اُسکے قول کو اپنے ذاتی خیال پر مقدم سمجھکر علاج مین مصروف ہو جائے

اس وقت کامیابی کی توقع ہے۔ لیکن اگر طبیب کہتا رہا کہ تم بیمار ہو۔ مگر یہ اپنی ظاہری حالت پر بنا کر کے پورے طور سے اس عقیدہ پر قائم رہا کہ میں صحیح وسالم ہوں اور اس لئے علاج کرنے کے بدلے وہ خود طبیب کا مذاق اڑاتا رہا تو ایسے شخص کے لئے کبھی صحت کی امید نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مرض کے لئے اُسکی جہالت آغوش وتربیت ہے اور نشو ونما کے ساتھ حد کمال پر پہونچنے کے بعد اُس کا استیصال طاقت بشری سے باہر نتیجہ کیا ہے؟ وہی ایک یعنی ہلاکت۔

افسوس ہے کہ اس وقت قوم کے امراض کی نوعیت یہی ہے۔ قوم بحالت موجودہ مریض ہے اور انتہائی مریض لیکن اُسکو اپنے مرض کا احساس نہیں رہا اگر کوئی طبیعت شناس نباض بتلانا بھی چاہے کہ وہ بیمار ہے تو کیا فائدہ جبکہ وہ یقین کرنے پر تیار نہیں لیکن پھر بھی یہ فرض عائد یقیناً ہوتا ہے کہ نبض شناس فرد قوم نے جب مرض کا احساس کرلیا تو وہ اپنے خیالات کا اظہار ضرور کردے اُس پر توجہ ہونا اور نہ ہونا دوسرا امر ہے۔

اکثر اوقات کسی خاص تغیر کا احساس اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ اس کی رفتار تدریجی حیثیت سے زمانہ کے امتداد کے ساتھ تھی اور انسانی طبیعت بھی برابر اُسی رفتار زمانہ کی پابند۔

دھوپ پر آنکھ جمائے رہنے والا کبھی اس کا احساس نہ کرے گا کہ وہ متحرک

ہے بلکہ وہ دیکھنے مین اس کو ایک ہی جگہ پر قائم سمجھے گا۔ حالانکہ اسکی رفتار کا سلسلہ جاری ہے۔ بے شک اگر سو گیا اس وقت کہ جب دھوپ مغربی دیوار کے گوشہ سے متصل تھی اور بیدار ہوا اسوقت کہ جب وہ مشرقی دیوار تک پہونچ چکی تو اس وقت اُسے احساس ہوگا کہ دھوپ نے کس قدر راستہ قطع کیا۔

بس اسی صورت سے قوم کا تنزل چونکہ تدریجی حیثیت سے ہے اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ اور افراد قوم اسی زمانہ کی رفتار مین زندگی کی منزلین قطع کرنے والے لہذا انھین بیّن طریقہ پر اپنے حالات کے انقلاب کا اندازہ نہین ہوتا۔ اس کی صورت یہی ہے کہ درمیانی کڑیان نظر انداز ہون تاریخ نے سابقہ حالات کا فوٹو اپنے اندر الفاظ کی صورت مین محفوظ کر لیا ہے۔ اُسکے اوراق کو اُلٹ کر آج سے پچاس سو دو سو برس اور اسیطرح آگے بڑھ بڑھ کر موجودہ پیش نظر حالت کے ساتھ اُس کا تقابل کرتے جایئے تو معلوم ہو کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے۔

ہم ایک وقت مین عظمت و اقتدار کے مالک تھے۔ ہمارے نام کا سکہ دنیا مین چل رہا تھا ہمارے سامنے دنیا سر تسلیم خم کئے ہوئے تھی۔ ہمارے اخلاق دنیا کے لئے سبق آموز تھے، ہمارے تعلیمات دنیا کے معلم تھے۔ ہمارے قدم سب سے آگے تھے اور ہم دنیا کے رہنما و مقتدا و پیشوا تھے لیکن اب کیا ہوا؟ اب یہ ہوا کہ ہم سب کے پیچھے ہین اور دنیا ہم سے آگے

ہمارے عظمت و اقتدار کا قلعہ نیست و نابود ہو چکا ہے، ہماری بنیادین متزلزل ہین، ہمارے شعائر پامال ہین، ہمارے مقاصد پیوند خاک ہین۔ ہم دنیا مین ذلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین اور دنیا کے ذلیل ترین اقوام ہم سے بلند سمجھے جاتے ہین آخر یہ کیا ہوا؟ کدھر گئی" ہماری عظمت اور کہان گیا ہمارا اقتدار اور کیا ہوا ہمارا وقار؟ بے شک بتلا دیا ہے اُسی خدا نے جو عزت کا اصلی مالک ہے۔ ان اللہ لایغیر ما بقوم حتیٰ یغیّروا ما بانفسھم خدا تغیر و تبدل نہین پیدا کرتا کسی قوم مین جب تک کہ وہ قوم اپنے نفسانی حالات مین تغیر پیدا نہ کردے۔

دوسری آیت ذلک بان اللہ لم یک مغیّرا نعمۃ انعمھا علیٰ قوم حتیٰ یغیّروا ما بانفسھم

"بات یہ ہے کہ خدا کسی اُس نعمت کو جو کسی قوم کو عطا کی ہے اُس وقت تک سلب نہین کرتا جب تک وہ خود اپنے حالات مین تغیر پیدا نہ کردے۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ہمارے قومی حالات مین تغیر پیدا ہوا ہے تو اُس کے اسباب کی تلاش ہم کو خود اپنے ہی اندر کرلینا چاہیئے اور لسان قدرت کے بزرگ ترین ترجمان امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے دونون شعرون مین جو میرے اس بیان کا سرنامہ ہین اسی کو ارشاد فرمایا ہے۔

"بیشک تمھاری دوا خود تمھین مین موجود ہے لیکن تم آنکھ کھول کر دیکھتے نہین اور مرض کا اصلی منشا، خود تمھارے ہی اندر ہے لیکن تم کو احساس نہین تم سمجھتے ہو کہ ہماری ہستی ایک مختصر جسم مین محدود ہے حالانکہ تم مین حقایق و اسرار کا بہت بڑا عالم مضمر ہے۔

بیشک مرض کی تشخیص سب سے پہلی اور بہت بڑی کامیابی ہے۔ پھر اُس مرض کے اسباب کی تلاش دوسری منزل ہے اور اُسکے بعد اُن اسباب کے استیصال کی فکر اور مرض کے علاج کی کوشش آخری نتیجہ ہے۔

قوم کا پہلا مرض اور اسکا علاج

درآمد و برآمد کا عدم توازن

انسان کا دورِ زندگی تین حصوں مین منقسم ہے۔ سن نشو و نما، سن وقوف سن انحطاط اس لئے کہ قدرت نے اُس کے نظام زندگی کو تجدد و تغیر پر مبنی قرار دیا ہے اور اُس کی بقا کو غذائے خارجی کا پابند، اُس کے جسمانی اجزا رزمانہ کی رفتار کے ساتھ تحلیل ہوتے رہتے ہین۔ لیکن غذا کہ جو جسم مین پہونچتی ہے اُسکا لب لباب اور جوہر لطیف انسان کا جزو بدن ہو کر تحلیل شدہ اجزا کی قائم مقامی کرتا ہے اور اسی بدل ما یتحلل کی بدولت انسان کا نظام قائم رہتا ہے انسان کے ابتدائی دور مین جتنے اجزا جسم کے تحلیل ہو جائین اُس سے زیادہ مقدار غذا کی اُس کا جزو بدن ہوتی ہے اس لئے اُس کا جسم ترقی کرتا رہتا ہے اور روز بروز قوت و طاقت مین اُسکی اضافہ ہوتا ہے۔ یہان تک کہ وہ ایک کامل جوان کی حد تک پہونچتا ہے جو ترقی کی آخری منزل ہے۔ اب شروع ہوا سن وقوف اس مین جتنی قوت انسان کے جسم سے تحلیل کی بدولت جاتی ہے۔ اُتنی ہی بدل کی صورت مین انسان کے جسم مین آجاتی ہے، اسکا

نتیجہ ہے کہ انسان کی حالت مین نہ زیادتی ہو اور نہ کمی بلکہ وہ ایک حالت پر ٹھہرا رہے۔ اس کے بعد شروع ہوتا ہے تیسرا دور جس کا نام ہے سن انحطاط، یہ وہ ہے کہ جس مین انسان کے جسم سے تحلیل زیادہ ہو اور بدل کی صورت مین پیدا کم ہو۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ انسان روز بروز کمزور ہوتا جائے۔ اور اُس کی قوتین مضمحل ہوتی جائین، اسی کا انجام ہے موت جس کا دوسرا نام ہے فنا،

بس اسی اصول کے مطابق اگر آپ کو کسی قوم کے دور ترقی، دور وقوف، دور تنزل کا پتہ لگانا ہو تو یہ دیکھیے کہ اس قوم سے دوسرون کے پاس کتنا جاتا ہے اور دوسرے اقوام سے اُس کے پاس کتنا آتا ہے۔

اگر آپ نے دیکھا کہ جتنا اس کے ہاتھون سے دوسرون کے پاس جاتا ہے اس سے زیادہ دوسرون کے پاس سے اُس کے پاس آجاتا ہے۔ تو یقیناً یہ قوم ترقی کر رہی ہے اور اُس کی طاقت و قوت مین روز بروز افزونی ہی ہوگی اور اگر ایسا ہے کہ نہین جس قدر دوسرون کے پاس سے اُس کے پاس آتا ہے اُتنا ہی اُس کے پاس سے دوسرون کے پاس چلا جاتا ہے تو پھر غنیمت ہے۔ سمجھیے کہ قوم ایک حالت پر قائم ہے۔ اُس کے لئے اس صورت مین نہ ترقی ہوگی نہ تنزل لیکن اگر کہین ایسا ہوا کہ جتنا دوسرون کے پاس آتا ہے۔ اس سے زیادہ اُس کے پاس سے دوسرون کے ہاتھ مین چلا جاتا ہے۔ تو سمجھیے کہ یہ ہے دور تنزل اس کا نتیجہ ہے کہ روز بروز ناتوانی و کمزوری مین اضافہ ہو۔ اور آخری انجام ہے

ہے کہ وہ قوم صفحہ ہستی سے فنا ہو جائے۔

اس معیار کے مطابق جب ہم اپنی قوم کی حالت پر غور کرتے ہین. تو افسوس کی انتہا نہین رہتی ہم دیکھتے ہین کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ غیرون کے پاس جا رہا ہے اور غیرون کے پاس سے ایک حبہ بھی ہمارے پاس نہین آسکتا۔ ہماری سابقہ دولتین، موروثی اموال، برسون کے مخفی ذخیرے جائدادین زمینین سب دوسرون کے پاس پہونچ گئین۔ لیکن ہمارے ہاتھ مین کیا آیا؟ کچھ نہین؛ اس صورت مین تو اگر خزانۂ قارون بھی ہوتا تو وہ ختم ہو جاتا۔ اور آخر اُس مین خاک اڑنے لگتی۔ کنوئین سے پانی کھینچتے رہیئے۔ وہ پایاب نہ ہوگا۔ مگر اُس وقت جبتک کہ اس مین سوتے ہین یعنے جتنا کھینچتے ہین اُتنا آجاتا ہے لیکن اگر اُس کے حلقۂ اتصال کو مرکز آب سے قطع کر دیجئے۔ تو یقین سمجھیے کہ وہ بہت جلد خشک ہوگا۔ اس لئے کہ اس مین برآمد کے ساتھ درآمد کا سلسلہ باقی نہین رہا ہے۔

حیات انسان کی بنیاد دوران خون پر ہے یہی رگون مین دوڑتا ہوا خون وہ ہے جس پر نظام زندگی قائم ہے۔ بیشک اس خون کو متحرک رہنا چاہیئے۔ اور بیشک نظام زندگی قائم رہے گا لیکن اُسی وقت کہ جب تک یہ خون عروق وشرائین کے راستون سے ہر پھر کر جسم کے اندر رہتا ہے۔ لیکن اگر فصد رگ قطع ہوگئی یا ہاتھ کی متحرک نبض جدا ہوگئی اور یہ خون بہنا شروع ہوا۔ تو یقین جانئے کہ اس کا نتیجہ ہے موت. بس اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ایک قوم کی بقائے زندگی اُسی وقت

ہوسکتی ہے کہ جب تک اُس کا سرمایہ ہر پھر کر اُسی قوم کے افراد کے پاس رہتا ہے لیکن اگر منفذ ہو گیا۔ سیال کہ جس مین سے یہ سرمایہ نکل نکل کر باہر جانے لگا۔ اور اُسکی کوئی روک نہ ہوئی نہ اُس کا کوئی بدل حاصل ہوا تو یقیناً اُس قوم کا آخری نتیجہ ہے فنا؛ اب دیکھ لیجئے خود کہ آپکی قوم کی بھی یہی حالت ہے یا نہین؛

یہ کیون؛ اس لئے کہ تمام وہ ذرائع و اسباب ترک کر دیئے جن سے حصول آمدنی کا امکان ہے۔ اور تمام وہ باتین اختیار کر لین جن سے دوسرون کو نفع پہنچنے کا موقع ہے۔ ضروریات زندگی کو اتنا وسیع کیا کہ ہر شے کی احتیاج زیادہ سے زیادہ ہم کو ٹھری اور خود اُن ضروریات کے پورا کرنے کا سامان نہ کیا کہ ہمارے ضروریات خود ہم ہی سے پورے ہوتے نتیجہ یہ ہوا کہ وقتی ضروریات پورے ہوئے مگر اس طرح کہ ہماری دولت اور غیر کا خزانہ

پھر اس کا علاج؛ علاج یہی ہے کہ ایسے ذرایع کو دوبارہ اختیار کرو جنسے تمھارا روپیہ تمھاری ہی جیبون مین رہے۔ یا اگر دوسرون کے پاس جائے تو دوسرے کے پاس سے بھی اسی تناسب سے تمھارے پاس آجائے۔

تجارت صنعت و حرفت؛ زراعت یہی چیزین وہ ہین جن سے قومون کی زندگی ہوتی ہے اور ان ہی چیزون کا ترک کر دینا تھا کہ جس نے ہماری قوم کو اس درجہ تنزل تک پہونچایا۔ اب اگر قوم زندہ ہونا چاہئے تو انہی ذرایع کو پھر اختیار کرنا پڑا جو اُسکی زندگی کے باعث ہوسکتے ہین اور اُسکو معراج ترقی تک پہنچانیکے ذمہ دار ہوسکین۔

مرض کا سبب اصلی

افراد قوم کی ذہنیت اور غلط خیالات کی پیداوار

حضرات! قوم کا پہلا مرض اور اوسکا علاج آپ کے سامنے پیش ہو چکا۔ لیکن چونکہ انسان کا طرز عمل حقیقتہً اُس کی ذہنیت کا پابند ہوتا ہے۔ انسان کے اندر عملی کمزوری اکثر اِن خیالات کے تحت مین ہوتی ہے جو اس کے دل و دماغ مین راسخ ہو گئے ہین اس لئے جب ہم اس مرض کے متعلق غور کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ در حقیقت وہ کچھ خیالات کا نتیجہ ہے جو افراد ملت کے دماغ مین غلط طور پر قائم ہو گئے ہین اور وہ اکثر افراد کے زبان وقلم پر بھی آجایا کرتے ہین۔ چنانچہ ہم مختصر طور سے اِن خیالات کا جائزہ لے کر اُن کی جانچ کرین گے کہ وہ کہان تک حقیقت سے مطابق ہین

پہلا خیال اور اُس کا دفعیہ

سب سے پہلا خیال یہ ہے کہ اسلام نے ترک دنیا کی تعلیم دی ہے اور طلب دنیا سے منع کیا ہے، دین و دنیا کا اجتماع ممکن نہین ہو اور اس لئے انسان کو دین کے ساتھ دنیا کا طالب ہونا خیال خام ہے۔ ائمہ معصومین ع نے اپنے اقوال و افعال سے ہمیشہ دنیا

طلبی کو ممنوع ثابت کیا ہی اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام نے دنیا کو تین مرتبہ طلاق دیدیا تھا۔ لہذا مسلمانون کے لئے اپنے اسلامی احکام کے تحت مین مال دنیا کی تحصیل مین کدوکاوش کرنا صحیح نہین ہے۔

یہ خیال وہ ہے جو اکثر دماغون مین موجود ہے اور اکثر پڑھے لکھے افراد تک اس غلط فہمی کا شکار ہین جس مین قدیم وجدید تعلیم یافتہ دونون ہی داخل ہین۔ فرق اتنا ہے کہ قدیم تعلیم یافتہ اس کو مسلمہ طور پر احکام اسلامی کے سامنے سرنیاز خم کرتے ہوئے اپنے طرز عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہین۔ اور جدید تعلیم یافتہ اس کو احکام اسلامی کے خلاف بطور اعتراض پیش کرتے ہوئے "اسلام مانع ترقی ہے" کی آواز بلند کرتے ہین لیکن اگر صحیح اسلامی تعلیمات کی روشنی مین اس خیال پر نظر کی جائے تو اُس کی کمزوری طشت از بام ہو جائے گی اور معلوم ہوگا کہ وہ واقعیت سے کوسون دور ہے۔

انسان کے اندر قدرت نے دو جزو ودیعت کیے ہین۔ ایک مادہ اور ایک روح بے شک یہ دو جزو اُس کی ہستی مین لازم وملزوم ہین اور ہر ایک کے لئے ایک خاص حیثیت سے ترقی ہے ور اُس کے کچھ خصوصیات ہین۔ انسانی افراد کے طرز عمل اور مختلف اقوام کی تعلیمات پر جب نظر کی جاتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونون پہلوؤن مین سے کسی ایک کی نگہداشت مین افراط وتفریط کی حدون مین منقسم ہوگئے ہین۔ بعض مادیت کے اندر اتنے مستغرق ہوئے کہ انھون نے روح

کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔ اور انسان کی ہستی کو اسی جسمانی ترکیب و تالیف مین محدود سمجھ لیا اس لئے اُس کا آخری نقطۂ مقصد جو کچھ قرار پایا وہ مادی خواہشات کا پورا کرنا اور جسمانی راحت و آرام کے اسباب مہیا کرنا اور بس۔ اکثر افراد ایسے بھی تھے کہ جو عقیدہ کے اعتبار سے روح کے وجود کے منکر نہین ہین لیکن عملی حیثیت سے سوائے مادی خواہشات کے پورا کرنے کے اُن کا کوئی نصب العین نہ رہا اُنکی عمر گذری اپنی طاقت و اقتدار کے مظاہرہ رعب و جلال کا سکہ قائم کرنے مظلومون کا گلا کاٹنے حقوق غصب کرنے اور جس صورت سے ہو اپنے سرمایہ ذاتی اور مفاد شخصی کو تقویت پہونچانے مین اور بس، یہ مادہ پرستی یا مادہ پروری کا نقطۂ افراط ہے جس مین روحانیت بالکل معدوم نظر آتی ہے۔

دوسرا گروہ اپنے مذاق کے مطابق روحانیت کی طرف اتنا متوجہ ہوا کہ اُس نے مادی ضروریات کو بالکل پس پشت ڈال دیا۔ بودھ مذہب اور عیسائی راہبون کے تعلیمات مین اس عنصر کی کمی نہین ہے۔ افراد بشر سے تعلقات قطع کر کے آباد شہرون کی سکونت کو چھوڑ کر ویرانہ بسانا اور پہاڑون کی کھوہون کے اندر عبادات پروردگار مین مصروف ہو جانا اور ماسوی اللہ سے بخیال خود کسی تعلق کا قائم نہ رکھنا اس تعلیم کے خاص جوہر ہین، یہ پہلے خیال کے تقابل سے نقطۂ تفریط ہے جس مین مادی ضروریات کو ناقابل اعتنا قرار دینے یا فنا کر دینے کی کوشش مضمر ہے اور خالص روحانیت کو ترقی دینے کا خیال مدنظر معلوم ہوتا ہے۔

لیکن یہ کلیہ ہے کہ ہر جذبہ جب تک حد اعتدال مین ہے، حق بجانب ہوگا
اور ادھر حد اعتدال سے خارج ہوا اُس کے کمال مین نقص پیدا ہوا۔
مذہب اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت جسمین وہ تمام دیگر مذاہب سے ممتاز
ہے یہی ہے کہ اُس کے تعلیمات مین حد اعتدال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور ہمیشہ افراط
وتفریط کے نقطون کو بچا کر جادۂ وسط کی رہنمائی کی گئی ہے اور اسی بناء پر ارشاد
کیا گیا تھا کہ جعلنا کم امتہ وسطا" ہم نے تم کو امت وسط یعنی جمعیت عادلہ
قرار دیا۔ بے شک نقطۂ وسط ہی وہ ہوتا ہے۔ جہان آگے بڑھ جانے والون کو
پیچھے واپس آنا اور پیچھے رہنے والون کو بڑھ کر پہونچنا لازم ہے۔
اصل منزل سے پیچھے رہجانے والا جس طرح منزل سے ابھی دور ہے اسیطرح منزل
کو چھوڑکر آگے بڑھ جانیوالا، وہ اگر اپنے سلسلۂ رفتار کو جاری رکھے تو منزل سے دور ہی
ہوتا جائیگا ایک خاص شہر کے ارادہ سے ریل پر بیٹھنے والا جس طرح اسکا دھیان رکھے
کہ وہ اُس منزل سے پہلے کسی دوسرے اسٹیشن پر نہ اتر پڑے ویسے ہی اسکا خیال بھی رکھے کہین
ایسا نہ ہو کہ وہ سوتا رہے اور اسٹیشن پیچھے ہی چھوٹ جائے دونون صورتون مین نتیجہ ایک
ہی اور وہ شخص منزل پر پہنچنے سے محروم۔ اسلام نے اس مادیت و روحانیت کے مسئلہ
مین بھی حد اعتدال کو ملحوظ رکھا ہی اس نے جس طرح مادیت پرستی کو پامال کیا اور خالص
مادیت کی بنیادون کو ملیا میٹ کیا ہی اسیطرح اُسکو یہ بھی منظور نہ تھا کہ اُس مادی زندگی کی
بالکل آنکھین ہی بند کر لو اور اپنے جسمانی زندگی کے ضروریات کو بالکل ہیچ ہی دو۔ ونیا

اگر اُسے اس مادی زندگی سے کنارہ کشی جائز قرار دینا ہوتی تو وہ خودکشی کو حرام قرار نہ دیتا اس لئے کہ اُس میں تو حقیقی معنی میں روح کو اس جسمانی قید سے آزاد کرنے کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اُس نے لاتلقوا بایدیکم الی التھلکہ کہکر خودکشی کو ایک جرم قرار دیدیا اور حفاظت نفس کو انسان کا فریضہ لازمہ بنایا اُسنے لارھبانیۃ فی الاسلام کہکر اس نام نہاد روحانیت پرستی کا خاتمہ کردیا جو اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں رائج تھی اور جو نظام اجتماعی و تمدنی کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتی تھی۔

اُس نے دنیا و آخرت کے درمیان کوئی ایسی سد محکم قرار نہیں دی ہے۔ کہ جس کا ٹوٹنا ممکن نہ ہو بلکہ اُسنے ان دونوں کو لازم وملزوم دست بگریبان قرار دیکر چاہا ہے کہ وہ دونوں اس طرح سمو جائیں کہ دنیا دنیا اور آخرت آخرت نہ رہے بلکہ دنیا بھی تمہید آخرت بنکر منزل آخرت قرار پا جائے۔ یہی معنی ہیں قول جناب رسالتمآبؐ کے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ" دنیا آخرت کے لئے کھیتی کی مثال ہے جس طرح انسان کھیتی کرکے اس کے ثمر کو حاصل کرتا ہے۔ اُسی طرح انسان دنیا کی آرایش اس طرح کرے کہ اس کا نتیجہ مثمر آخرت میں حاصل ہو۔

یہ انسان کی کمزوری ہے کہ وہ دنیا کو آخرت کے منافی سمجھکر اُس سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنے نفس پر قابو اور اپنے ضمیر پر اقتدار نہیں رکھتا۔ وہ دنیاوی اسباب زندگی کو اس طرح صرف کرنا نہیں جانتا کہ اُنسے

آخرت کی منزل حاصل ہوسکے۔ اسلامی کتاب معجز اور فرمان محکم قرآن مجید کی تعلیم تو یہ ہے
ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ (دعا مانگو کہ) خداوندا ہم کو
دنیا میں اپنی ایک نعمت عطا کر اور آخرت میں ایک" اور بھر صریحی طور سے
ارشاد کیا کہ ولاتنس نصیبک من الدنیا یعنی تمھارا دنیا میں حصہ موجود کہ
اس کو بھول نہ جانا، اور رہنمایان مذہب کی آواز یہ ہیں کہ دنیا کو بالکل ترک
کر دینا غلطی ہے۔ رسولؐ کے بعد دنیائے اسلام کے سب سے بڑے معلم روحانی
امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے۔ اس وقت جبکہ علاء بن زیاد نے اپنے بھائی عاصم
بن زیاد کی شکایت کی کہ اس نے لباس تصوف پہن کر دنیا سے بالکل علیحدگی اختیار
کرلی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لاؤ چنانچہ وہ شخص حضرت کی
خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے نہایت تہدید آمیز الفاظ سے فرمایا یا عدی
نفسہ لقد استھام بک الخبیث اما رحمت اھلک وولدک اتری
اللہ احل لک الطیبات وھو یکرہ ان تاخذھا" اے اپنے نفس کے دشمن
حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے تجھ کو بہکا دیا ہے۔ ارے تو نے اپنے اہل و عیال اور
اولاد کا بھی خیال نہ کیا۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ خدا نے طیبات کو حلال تو کر دیا ہے۔ لیکن
تیرا استعمال کرنا ان طیبات کو اسے ناگوار گذریگا؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صریحی طور پر فرمایا،
لیس خیرکم من ترک دنیاہ لآخرتہ ولا آخرتہ لدنیاہ بل خیرکم من اخذ

من هذه وهذه" تم میں سے وہ شخص قابل تعریف نہیں ہے جو دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑ بیٹھے۔ اور نہ وہ جو آخرت کو دنیا کے لئے ترک کر دے۔ بلکہ اچھا وہ شخص ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں حصہ لے۔"

اسلام نے بیشک ترک دنیا کی تعلیم دی ہے۔ لیکن وہ دنیا جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے آخرت سے جداگانہ ہے جس کی مختصر شناخت یہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی و شخصی مفاد کی خاطر آئینی و غیر آئینی ہر قسم کے طرز عمل پر تیار ہو جائے سرمایۂ شخصی میں اضافہ کر کے اپنے افرادِ قوم پر بیجا تفوق کا مظاہرہ کرے اور اپنے غرور و نخوت کے سر کو بلند کرے۔ بیشک یہ سرمایہ داری وہ ہے کہ جس کو اسلام نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے، وہ اگرچہ اشتراکیت کا حامی نہیں ہے اور اُس راستہ کی رہنمائی نہیں کرتا جس پر اس وقت روس قدم زن ہے لیکن پھر بھی اُس نے ایک معنی سے اغنیا کے اموال میں فقراء کو شریک قرار دیا ہے یعنی فرض مذہبی کی حیثیت سے اُن اغنیا پر انکی اعانت و دستگیری کا حق عائد کر دیا ہے اور ایک مخصوص مقدار اُن پر واجب الادا قرار دی ہے۔ جس کا ادا کرنا ان کا فرض ہے اور اس طرح اُس کے ادا کرنے پر اونکو فقراء کے اوپر کسی احسان جتانے اور منت رکھنے کا موقع بھی نہیں دیا گیا۔ اس لئے کہ وہ تو اُن کے حق کو ادا کر رہے ہیں۔ کچھ بلا استحقاق اپنی جیب سے اونکو عطا نہیں کر رہے ہیں اسطرح اسلام نے چاہا تھا کہ مسلمانوں کی دولت اجتماعی حیثیت سے افراد قوم کی شیرازہ بندی میں صرف ہو اور انفرادی ترقی و اجتماعی ترقی کے ساتھ توام

لیکن افسوس ہے کہ ایک طرف اغنیائے ملت نے اپنے فرض کو ادا نہ کیا، امانت خدا کو جو درحقیقت اُن کے ہاتھوں مین ودیعت رکھی گئی تھی۔ اپنا ذاتی و استحقاقی مال سمجھکر اُس کو اپنے خزانون مین محفوظ کیا دوسری طرف قوم کی اکثریت نے ترک دنیا کے اسلامی احکام کو غلط انداز نگاہ سے دیکھکر یہ سمجھ لیا کہ کسب معیشت اور سرمایہ کی جمع آوری مین کسی قسم کی جد وجہد کرنا نفرت انگیز ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قوم مین مجموعی حیثیت سے نکبت و افلاس نے خیمے ڈالدیئے اور وہ دنیا کی تمام اقوام سے زیادہ بے مایہ و تہیدست نظر آنے لگے۔ حاشا کہ اسلام کسب معیشت اور ذاتی محنت سے مال حاصل کرنے کو بری نظر سے نہین دیکھتا اُسنے تو کسب معاش کو مذہبی حیثیت سے اتنی اہمیت دی کہ ارشاد ہوا طلب الحلال جہاد " مال حلال کو حاصل کرنا جہاد کا درجہ رکھتا ہے" کبھی ارشاد ہوا افضل الاعمال الکسب الحلال "بہترین اعمال کسب حلال ہے"

امام محمد باقر علیہ السّلام کی حدیث ہے کہ رسالتمآب صلعم نے فرمایا العبادۃ سبعون جزءا افضلہا طلب الحلال " عبادت کے ستر جزو ہین جنمین سب سے افضل کسب حلال ہے۔

کہان ہین عبادت کے مفہوم پر پابندی عائد کرنے والے اور اُس کی وسعت کو تنگ بنا کر اُس کو صرف نماز وروزہ حج و زیارت مین محدود بنانے والے دیکھین اس حدیث کو اور سمجھین کہ اسلام شخصی عبادات کے ساتھ اجتماعی مفاد کی ترقی اور

نظام زندگی کی شیرازہ بندی کو کس طرح عبادت کا ایک اہم جزو قرار دے کر اس کا حکم دیریا ہے۔

اور ملاحظہ ہو کان رسول اللہ جالساً مع اصحابہ فنظر والی شاب ذی جلد وقوۃ وقد بکر یسعی فقالوا ویح ھذا لو کان شبابہ وجلدہ فی سبیل اللہ ایک روز رسالتمآب حلقہ اصحاب مین بیٹھے ہوئے تھے اصحاب کی نظر ایک جوان توانا وتندرست اور طاقتور پر پڑی جو صبح سویرے طلب معاش مین گھر سے باہر نکلا تھا۔ اصحاب نے کہا کہ افسوس اس کی جوانی وطاقت جسمانی خدا کی راہ مین صرف ہوتی تو کتنا اچھا تھا۔ یہ سنتا تھا کہ حضرت نے فرمایا کہ لاتقولوا ھذا فانہ ان کان یسعی علی نفسہ لیکفھا عن المسئلۃ ویغنیھا عن الناس فہو فی سبیل اللہ وان کان یسعی علی ابوین ضعیفین او ذریۃ ضعاف فیغنیھم ویکفیھم فھو فی سبیل اللہ وان کان یسعی تکاثرا وتفاخرا فھو فی سبیل الشیطان" ایسا نہ کہو اس لئے کہ اگر یہ اپنے نفس کے لئے جد وجہد کرتا ہو کہ اُسے لوگون کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے محفوظ اور لوگون سے مستغنی کرے تو وہ حقیقۃً خدا ہی کی راہ مین مصروف ہے اور اگر وہ ضعیف العمر ماں باپ یا کمزور اولاد کے لئے سعی وکوشش کر رہا ہے تاکہ انھین لوگون سے مستغنی بنائے اور امداد پہونچائے تو بھی خدا کی راہ مین ہے بیشک اگر صرف ذاتی گھمنڈ اور نخوت وغرور کرنے کے لئے جد وجہد کرتا ہو تو وہ شیطان کے رستہ پر ہے۔

اس حدیث سے مطلب بالکل صاف ہوگیا۔ اور معلوم ہوا کہ کس طرح نیت واقعیت اور اُس کے حکم کو بدل دیتی ہے۔ اب اسلام کے ترک دنیا کے احکام کو مطلق کسب معیشت اور طلب حلال پر منطبق کرنا صریحی غلطی نہین تو کیا ہے۔

اس سب کے ساتھ جب رؤسا ملت اور رہنمایان اسلام کے طرز عمل اور سیرت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُنھون نے عملی حیثیت سے اس خیال کے پرخچے اڑا دیئے ہین سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ رسالتمآب ؐ نے نبوت سے پہلے تاجرانہ زندگی اختیار کی اور ایک مرتبہ حضرت ابوطالب ؑ کی معیت مین اور دوسری مرتبہ اموال خدیجہ ؓ کو لیکر تنہا شام کی جانب تجارت کے لئے تشریف لیگئے اور یہی تجارت وہ تھی جو تمہید بعثت قرار پائی۔ یعنی اس سلسلہ مین حضرت خدیجہ کو آپکی جانب میلان طبعی پیدا ہوا اور حضرت کی شادی خدیجۂ کبریٰ کے ساتھ ہو گئی۔ جس کے بعد اسلام کی ترقی کے لئے مالی دشواریون کا سوال برطرف ہوا اور حضرت کو تبلیغ اسلام کا حکم ہوا عقیدہ کی بنا پر رسول کا فعل جس طرح بعد بعثت لازم الاتباع ہے اسی طرح قبل بعثت اس کے لئے کہ عصمت جو اُن کے طرز عمل کو یقینی طور سے قابل تقلید بنانے کی ذمہ دار ہے۔ وہ اُن کی زندگی کے ہر دور مین موجود تھی

جناب رسالتمآب ؐ کے بعد ائمہ معصومین علیہم السلام جو آئین شریعت کے حقیقی نگہدار تھے اُنھون نے برابر اُس طرز عمل کو قائم رکھا وہ کسب معیشت کے سلسلہ مین اپنی ذاتی محنت کے صرف اور کد و کاوش کو اپنے لئے عار و ننگ نہ سمجھتے تھے اور نہ اُسے ترک

دنیا کے خلاف تصور کرتے تھے۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ جن کے متعلق بڑے زور و شور سے پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت نے دنیا کو طلاق دیدیا تھا اور واقعہ بھی یہی ہے جسکے نوعیت کی تشریح بعد مین ہوگی۔ آپ کے متعلق امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ ان امیر المومنینؑ اعتق الف مملوک من کد یدہ "حضرت امیرؑ نے ایک ہزار غلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے خرید کر آزاد کئے"

ظاہر ہے کہ ایک ہزار غلامون کی خریداری کسی معمولی سرمایہ سے نہین ہوسکتی پھر کیا اب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنے دست و پا کی کد و کاوش سے سرمایہ حاصل کرنا زہد و تقوی اور ترک دنیا کے خلاف ہے۔ امام محمد باقرؑ فرماتے تھے کہ کان امیر المومنینؑ یخرج فی الھاجرۃ فی الحاجۃ قد کفیھا یرید ان یراہ اللہ یتعب نفسہ فی طلب الحلال۔ امیر المومنینؑ اکثر دوپہر کے وقت ایسے کامون کے لئے نکلتے تھے کہ اگر کسی اور سے فرمادیتے تو وہ ہوجاتے لیکن آپ چاہتے تھے کہ مال حلال کی طلب مین خود زحمت و مشقت اٹھائین۔

آپ کے بعد بھی دیگر ائمہ معصومینؑ کی سیرت مین اس قسم کے نمونے موجود ہین۔ عبد الاعلیٰ مولیٰ آل سام کا بیان ہے کہ ایک شدید گرمی کے دن مین مین نے امام جعفر صادقؑ کو مدینہ کے بعض کوچون مین دیکھا فقلت جعلت فداک حالک عند اللہ عزوجل وقرابتک من رسول اللہؐ وانت تجھد نفسک فی مثل ھذا الیوم مین نے عرض کیا کہ میری جان آپ پر نثار۔ آپ

خدا کی بارگاہ مین جو قرب و منزلت اور رسالتمآب ؐ سے جو اختصاص رکھتے ہین وہ معلوم ہے پھر باوجود اسکے آپ ایسے گرم وقت مین اتنی زحمت و مشقت اٹھا رہے ہین ؟ ! حضرت نے فرمایا یا عبد الاعلی خرجت فی طلب الرزق لاستغنی بہ عن مثلک و مین تحصیل معاش کے لئے نکلا ہون اس غرض سے کہ کسی کا محتاج نہون" ابو عمرو شیبانی کی روایت ہے رأیت اباعبد اللہ و بیدہ مسحاۃ و علیہ ازار غلیظ یعمل فی حائط لہ و العرق تیصاب عن ظھرہ مین نے امام جعفر صادق ؑ کو دیکھا حضرت کے ہاتھ مین ایک بیلچہ ہے اور آپ موٹا لباس پہنے ہوئے اپنے ایک باغ مین مصروف کار ہین اور پسینہ حضرت کی پشت سے ٹپک رہا ہے" فقلت جعلت فداک اعطنی اکفک" مین نے عرض کیا کہ یہ خدمت میرے سپرد ہو مین انجام دیدونگا" حضرت نے فرمایا انی احب ان یتأذی الرجل بحر الشمس فی طلب المعیشۃ مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ انسان دھوپ کی ایذا کو برداشت کرے اپنے معاش کی تلاش مین ۔

فضل بن ابی حرہ کا بیان دخلنا علی ابی عبد اللہ ؑ فی حائط لہ فقلنا لہ جعلنا اللہ فداک دعنا نعمل لک او تعملہ الغلمان قال لادعونی فانی اشتھیت ان یرانی اللہ عز و جل اعمل بیدی و اطلب الحلال فی اذی نفسی ہم امام جعفر صادق ؑ کی خدمت مین حاضر ہوئے جب حضرت ایک باغ مین مشغول کار تھے ہم نے عرض کی کہ ہمکو اجازت دیجئے ہم اس کام کو کرین یا غلامون کو حکم دیجئے

حضرت نے فرمایا نہیں مجھ کو چھوڑ دو اس لئے کہ مین چاہتا ہون خداوند عالم کی نظر مجھ پر پڑے اس حالت مین کہ اپنے ہاتھ سے کام کر رہا ہون اور اپنے نفس کو ایذا پہونچا کر کسب حلال کرتا ہون ؎

درحقیقت یہ خیال کہ کسب معاش مین وقت صرف کرنا اور اس سلسلہ مین کد و کاوش کرنا ترک دنیا کے خلاف ہے اور زہد و تقویٰ کے منافی ہے اس زمانہ مین بھی اکثر سطحی اور ظاہر بین زہد و تقویٰ کے حقیقی معیار سے ناواقف اور حقیقت کو مجاز مین محدود سمجھنے والے افراد کے دل و دماغ مین موجود تھا اور اسکی صحت پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ اس سلسلہ مین امام پر اعتراض کر دینے کو بھی جائز سمجھتے تھے جو اُنکی معرفت کی انتہائی کمزوری کی دلیل ہے چنانچہ مین اسکی بہترین سند محمد بن منکدر کے واقعہ کو سمجھتا ہون، یہ بزرگ اپنے زمانہ مین مشائخ اہل تصوف اور تارکین دنیا کی حیثیت مین سمجھے جاتے تھے ۔ اُنکا خود بیان ہے کہ مین نے محمد بن علیؑ یعنے امام محمد باقر کو دیکھا فاردت ان اعظہٗ فوعظنی مین نے یہ چاہا کہ حضرت کو موعظ و نصیحت کرون لیکن نتیجہ مین حضرت نے خود میری ہدایت فرمائی فقال لہ اصحابہ بای شیئ وعظک لوگون نے پوچھا کہ وہ کیا واقعہ ہے؟ کیونکر انھون نے آپ کی ہدایت فرمائی فقال خرجت الی بعض نواحی المدینۃ فی ساعۃ حارۃ فلقانی ابو جعفر محمد بن علی وکان رجلا بادنا ثقیلا وھو متکئ علی غلامین اسودین او مولیین فقلت فی نفسی سبحان اللہ شیخ من اشیاخ قریش

فی ھذہ الساعۃ علی مثل ھذہ الحالۃ فی طلب الدنیا اما انی لاعظنہ
کہا مین بعض اطراف مدینہ مین ایک انتہائی گرم وقت مین کسی ضرورت سے
نکلا رستہ مین مجھکو امام محمد باقرؑ ملے اور حضرت ذرا تنومند اور جسیم تھے اور
اس وقت دو غلامون کے سہارے سے جا رہے تھے مین نے اپنے دل مین کہا
اللہ اکبر ایک اتنا بڑا بزرگ مرتبہ شخص بزرگان قریش مین سے اس وقت ایسی حالت
مین طلب دنیا مین معروف ہے، تو سہی جو مین انکو اس وقت موعظ کرون فدنوت
منہ فسلمت علیہ فرد علی بنھر وھو یتصاب عرقا مین حضرت کے قریب گیا
اور سلام کیا حضرت نے جواب سلام دیا اس حالت مین کہ سانس آپکی پھولی ہوئی
تھی اور پسینہ ٹپک رہا تھا فقلت اصلحک اللہ شیخ من اشیاخ قریش فی ھذہ
الساعۃ علی ھذہ الحالۃ فی طلب الدنیا ارأیت لوجاء اجلک وانت
علی ھذہ الحال مین نے کہا کہ خدا آپکے امور کی اصلاح کرے ایک بزرگ
مرتبہ آدمی بزرگان قریش مین سے اور وہ اس وقت ایسی حالت مین دنیا
طلبی مین مصروف ہو؟! غور تو کیجئے اگر ایسی حالت مین آپکو پیغام موت پہنچ
جائے تو کیا ہوگا۔ فقال لوجاءنی الموت وانا علی ھذہ الحال جاءنی وانا
فی طاعۃ من طاعات اللہ عز وجل اکف بھا نفسی وعیالی عنک وعن
الناس وانما کنت اخاف لوجاءنی الموت وانا علی معصیۃ من
معاصی اللہ حضرت نے فرمایا اگر مجھکو موت آئے اس حالت مین تو حرج

کیا ہے اس لئے کہ اس صورت مین وہ موت مجھ کو آئی ہوگی اطاعت آلہی مین مصروفیت کے عالم مین جس کے ذریعہ سے مین اپنے تئین اور اپنے اہل وعیال کو دوسرون سے بے نیاز کرنا چاہتا ہون، بے شک ڈرتا تو مین اُس وقت جب مجھ کو موت آتی در انحالیکہ مین ایک معصیت مین معاصی الٓہیہ سے مصروف ہون نقلت صدقت یرحمك الله اردت ان اعظك فوعظتنی مین نے کہا آپ نے سچ فرمایا، مین نے تو چاہا تھا آپ کو موعظہ کرون۔ حقیقۃً آپ ہی نے مجھ کو ہدایت فرمائی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ترک دنیا کا معیار عام نظرون مین کیا تھا اور امام نے اوسکو کس طرح سے غلط ثابت کیا؛

اسی بنا پر برابر اپنے اصحاب کو کسب معیشت کی تاکید فرماتے رہتے تھے اور مخصوص طور سے تجارت کی طرف کہ جو تمام ذرایع کسب معیشت مین اہم درجہ رکھتی ہے توجہ دلاتے رہتے تھے اور دل نشین الفاظ مین اُس کے فوائد ومنافع کو گوش گذار فرماتے تھے چنانچہ امیر المومنین ع ارشاد فرماتے ہین تعرضوا للتجارۃ فان فیھا غنی لکم عما فی ایدی الناس "تجارت کے لئے جدوجہد کرو اس لئے کہ اس صورت مین تم دوسرون کے محتاج نہ رہوگے"

اگر غور کرو تو امام ع نے اس مختصر جملہ مین تجارت کے تمام اقتصادی پہلوون پر روشنی ڈالدی ہے اور جہانتک غور کیا جائے اُس مین بیش از بیش

معانی مضمر نظر آتے ہین۔

فضیل بن یسار کی روایت ہے قلت لابی عبد اللہؑ انی قد کففت عن التجارۃ وامسکت عنہا قال ولم ذلک اعجز بک کذلک تذھب اموالکم مین نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ مین نے تجارت سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے اور اوس کو ترک کر دیا ہے حضرت نے فرمایا اور یہ کسلیئے؟ کیا تم مین کمزوری پائی جاتی ہے؟ اس طرح تم لوگون کے اموال تمھارے ہاتھون سے نکل جائین گے؟

یہ مختصر فقرہ کہ کذلک تذھب اموالکم تمام اُس بیان کا لب لباب اور جوہر اصلی ہے جس کو مین نے مسلمانون کے اقتصادی مرض مین طویل بیانات کے ساتھ واضح کیا ہے یعنی درآمد و برآمد کا سوال اور مسلمانون کے داخلی سرمایۂ حیات یعنی اموال کا غیر اقوام کے پاس پہونچنا اور اسطرح رفتہ رفتہ تمام موروثی و قدیمی نہفتہ و اندوختہ سرمایون کا ہمارے ہاتھ سے نکل کر دوسرون کے خزانون مین چلا جانا یہی وہ ہے جس کو امام نے ترک تجارت کے نتیجہ مین ذکر فرمایا ہے۔

ترک تجارت کے ضمن نتیجہ مین امام کا یہ ارشاد کہ اس طرح تمھارے اموال ہاتھ سے نکل جائین گے اسکا قوی ثبوت ہے کہ افراد قوم کے پاس اموال کا ہونا اور دوسرے اقوام سے اُن اموال کا محفوظ رہنا مذہبی تعلیمات کی رو سے قابل

لحاظ اور ممدوح و مطلوب ہے اور ترک دنیا کے مفہوم سے اُس کو کوئی تضاد نہین ہے۔

فضل بن ابی قرہ کی روایت ہے سأل ابو عبد اللہؑ عن رجل و انا حاضر فقال ما حبسہ عن الحج فقیل ترک التجارۃ و قل شیئہ قال و کان متکئا فاستوی جالسا ثم قال لھم لا تدعوا التجارۃ فتھونوا اتجروا بارک اللہ لکم امام جعفر صادقؑ نے ایک شخص کے متعلق دریافت فرمایا کہ وہ اب کی حج کو کیون نہین آیا؟ کسی نے کہا کہ اُس نے تجارت ترک کردی ہے اور اوسکا سرمایہ بہت کم ہوگیا ہے، یہ سننا تھا کہ حضرت یا تو تکیہ سے لگے ہوئے بیٹھے تھے اور یا سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا دیکھو تم کبھی تجارت ترک نہ کرنا ورنہ ذلیل ہو جاؤ گے۔ تجارت کرو خدا برکت عطا فرمائے۔

بیشک عبرت حاصل کرنے کے قابل ہے یہ ارشاد کہ لا تدعوا التجارۃ فتھونوا تجارت نہ چھوڑنا نہین تو ذلیل ہو جاؤ گے۔

بیشک یہی وہ منظر ہے جس کو ہم آنکھ سے دیکھ رہے ہین مسلمان اب اقوام عالم کی نظرون مین ذلیل ہین اور کیون؟ اسی لئے کہ اسلامی تعلیمات پہ عمل نہ کیا، تجارت کو ترک کر دیا جس پر اُن کی حیات قومی کا دارومدار تھا۔

اسباط بن سالم کی روایت دخلت علی ابی عبد اللہؑ فسألنا عن

عمر بن مسلم ما فعل فقلت صالح ولكنہ قد ترک التجارۃ فقال ابو عبد اللہ عمل الشیطان ثلثا اما علم ان رسول اللہ اشتری عیرا اتت من الشام فاستفضل فیہا ما قضی دینہ وقسم فی قرابتہ یقول اللہ عز وجل رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ الی اخر الایۃ یقول القصاص ان القوم لم یکونوا یتجرون کذبوا ولکنھم لم یکونوا یدعون الصلوٰۃ فی میقاتھا وھم افضل ممن حضر الصلوٰۃ ولم یتجر۔

مین امام جعفر صادق کی خدمت مین حاضر ہوا۔ حضرت نے ہم سے عمر بن مسلم کے متعلق دریافت فرمایا کہ وہ کیا کرتے ہین؟ مین نے کہا اچھے ہین مگر اُنھون نے تجارت کو ترک کر دیا۔ یہ سنکر حضرت نے تین مرتبہ فرمایا کہ یہ شیطانی طرز عمل ہے کیا اس کو نہین معلوم کہ رسالتمآب نے شام سے آئے ہوئے مال تجارت کو خرید فرمایا اور اُس مین فروخت کے بعد اتنا نفع حاصل کیا کہ اپنے قرضہ کو ادا کیا اور اپنے اعزہ کی اعانت فرمائی۔ خداوند عالم نے کچھ لوگون کی مدح کرتے ہوئے ارشاد کیا ہے وہ لوگ ایسے ہین جنکو تجارت اور بیع ذکر خدا سے غافل نہین کرتی۔ عام افسانہ گویون کا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہین جو تجارت نہ کرتے تھے لیکن یہ بالکل غلط ہے بلکہ یہ لوگ تجارت کرتے تھے اور پھر بھی نماز کو اُسکے اوقات مین ادا کرنے کے پابند تھے اور یہ افضل ہین اُن لوگون سے جو نماز مین شریک ہوتے تھے۔ مگر تجارت نہ کرتے تھے۔

اس حدیث سے جس طرح یہ ظاہر ہے کہ ترک تجارت عمل شیطانی کہنے کا مستحق سمجھا گیا ہے اسی طرح تجارت مین مشغولیت کی حد افراط وتفریط کا بھی پتہ لگ گیا۔ تجارت مین مصروفیت اس قدر کہ فرائض الٰہیہ مین فروگذاشت ہو اسکا مذموم پہلو ہے۔ جس طرح تجارت کا ترک کردینا اگرچہ عبادات الٰہیہ مین مصروفیت کی جہت سے ہو قابل مدح صفت نہین، بلکہ انسان تجارت کے ساتھ ساتھ فرائض الٰہیہ کی بجا آوری کا خیال رکھے تو یہ اسکی کامیابی اور قابل مدح زندگی کہی جاسکتی ہے۔

اب غالبًا اس خیال کی کوئی گنجائش نہین رہی کہ کسب حلال اور طلب معیشت وغیرہ مین مصروفیت ترک دنیا کے خلاف یا زہد وتقوی کے منافی ہو لیکن زیادتی اطمینان کے لئے یہ دو حدیثین بھی ملاحظہ ہین جن مین صریحی طور سے زہد کا معیار بتلا دیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو سکونی کی روایت امام جعفر صادقؑ سے قلت لہ ما الزھد فی الدنیا قال ویحک حرامھا فتنکبہ "مین نے حضرت سے دریافت کیا کہ زہد فی الدنیا کے معنی کیا ہین؟ حضرت نے فرمایا یعنے دنیا کا مال حرام، اس سے اجتناب کرو۔"

دوسری حدیث اسمٰعیل بن مسلم کی روایت قال ابو عبد اللہ لیس الزھد فی الدنیا باضاعۃ المال ولا تحریم الحلال بل الزھد فی الدنیا

ان لاتکون بما فی یدلک اوثق منک بما عند اللہ عزوجل" زہد فی الدنیا کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان خواہ مخواہ مال دنیا کو اپنے ہاتھ سے جانے دے اور حلال کو بھی اپنے اوپر حرام سمجھ لے بلکہ زہد یہ ہے کہ انسان دنیاوی اموال پر اتنا اعتماد نہ کرے کہ آخرت کے معاملہ میں کوتاہی کرنے لگے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کسب حلال اور جائز ذرائع سے طلب معیشت کسی طرح زہد و تقویٰ کے خلاف نہیں ہے اور نہ وہ شریعت اسلامی کے اعتبار سے کسی طرح قابل اعتراض سمجھا جا سکتا ہے۔

ترک دنیا کا روشن پہلو

امیر المومنینؑ کے ترک دنیا کی نوعیت

دنیا کو تین مرتبہ طلاق دینے کا صحیح مفہوم

ابتک جو کچھ بھی کہا گیا وہ اس خیال کا دفعیہ تھا کہ انسان کا کسب معاش میں کوشش اور تحصیل مال میں جد و جہد کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ہم نے مکمل طور سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچا دیا کہ اسلام ہرگز دنیاوی اموال کی تحصیل اور کسب معاش میں کوشش کو جو جائز طریقوں سے ہو مذموم نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ

وہ جس طرح انسان کے لئے اپنی اخروی زندگی کے لئے سامان فراہم کرنے کو اہم
فرض قرار دیتا ہے اسی طرح اپنی انفرادی واجتماعی دنیاوی زندگی مین بھی سعی وکوشش
کو انسان کے فرائض مین داخل کرتا ہے لیکن اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ انسان اموال
کی جمع آوری اور ذرائع کسب معاش سے سرمایہ کی فراہمی کے بعد اُسکو کرے کیا؟
ایک صورت یہ ہے کہ انسان اموال دنیا کو جمع کرے، سرمایہ شخصی کی فراوانی مین
انتہائی جد وجہد صرف کرے، طلاء ونقرہ کے انبار لگائے اور زر وجواہر سے خزانے
پر کرے لیکن اسکی منفعت اُسکی ذات تک محدود رہے۔ اُسکے جسم پر بہتر سے بہتر
لباس ہو، اُسکے دسترخوان پر لذیذ سے لذیذ غذائین ہون اسکے دروازہ پر حشم وخدم
ہو، اُسکے گرداگرد خدام وملازمین کا ہجوم ہو اُسکی زندگی شاہانہ اور اُس کا سازو
سامان ملوکانہ ہو اور اُسکے بعد بھی جو کچھ باقی رہے وہ صندوقون مین مقفل اور
خزانے کے بند دروازون مین محفوظ حیات کے آخری لمحون تک ہر کس وناکس
کی نگاہ سے پوشیدہ ودستور باقی رہے لیکن نہ اس سے خلق خدا کو کوئی فائدہ
ہو، نہ قومی ومذہبی امور پر اُسکے احسانات کا بار پڑے اور نہ کسی غیر تک اس فیض
کا اثر پہونچے۔ یہ ہے افسوسناک سرمایہ داری جس مین اکثر وبیشتر ارباب دولت و
اقتدار مبتلا نظر آتے ہین۔ ایسے افراد جتنی تعداد مین بھی ہو جائین کبھی قومی
ترقی کا باعث نہین ہوسکتے اُن کی ترقی ہمیشہ انفرادی ہوگی جس کا قوم کے نظام اجتماعی
پر کوئی اثر نہین پڑ سکتا۔ اس کے بالکل برخلاف دوسری صورت یہ ہے کہ انسان

اموال کی جمع آوری کرے۔ کسب معاش مین زحمت اٹھائے لیکن اپنے حاصل کردہ اموال کو صرف اپنی ذات پر صرف کرنے کے بجائے وہ فقرا و مساکین کی خبرگیری کرے۔ قومی و مذہبی کامون کی انجام دہی کرے۔ اور خیر و خیرات، اوقاف و صدقات کے ذریعہ سے اپنے قومی نظام اجتماعی کے ترقی دینے مین مصروف رہے۔ اُس کا لباس فقیرانہ ہو۔ اُس کا طعام گدایانہ ہو۔ اُس کا طرز زندگی محتاجانہ ہو لیکن اُس کے ہاتھون بھوکون کو کھانا پہونچتا ہو۔ فقیرون کو لباس ملتا ہو اور محتاجون کو اُن کی زندگی کا سامان مہیا ہوتا ہو۔

بیشک یہی ترک دنیا کا روشن پہلو جس کی تفسیر یہ ہے کہ انسان دنیا کو اپنی ذات پر صرف نہ کرے۔ مگر اس قدر کہ جو اُس کی زندگی کے لئے کم سے کم مقدار مین ضروری ہو اور باقی سب خلق اللہ کی بہبودی و منفعت رسانی مین صرف کر دے یہ ترک دنیا اجتماعی ترقی کا کامیاب ذریعہ اور نظام اجتماعی کا شیرازۂ محکم ہے! ایسے تارک دنیا اشخاص کا وجود باعث پستی نہین بلکہ قوم کو بلند سے بلند معراج ترقی پر پہونچانے کا ضامن ہے۔

اکثر باتین ایسی ہوتی ہین جو نتیجۃً متحد ہین۔ لیکن صورت و نوعیت اور اسباب و مقدمات کی بنا پر اُن مین ممدوح و مذموم ہونے کی حیثیت سے تفرقہ ہو جاتا ہے پھٹا ہوا لباس، روکھی سوکھی روٹی، محتاجی و بے سروسامانی ایک چیز ہے لیکن یہ کبھی بیکاری و عاجزی کا نتیجہ ہوتی ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا، دنیا

مین کوئی کام ہی نہ کیا۔ اور نہ کبھی تحصیل معیشت مین کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
وہ دوسرون کا دست نگر و محتاج رہا اور نکبت وافلاس کی بلا مین گرفتار ہوا
یہ محتاجی و بے سروسامانی کبھی مدح وثنا کے قابل نہین سمجھی جاتی اور نہ وہ تحسین
وآفرین کی مستحق ہے۔ اس صورت سے محتاج رہنے والا خدا کی دی ہوئی نعمت
کے کفران اور اُس کی عطا کی ہوئی طاقتون کی ناقدرشناسی کا مرتکب ہے اور اگر
ترک دنیا کا یہ مفہوم سمجھا جاتا ہے تو وہ غلط ہے۔ اور اسلامی تعلیمات کے خلاف
لیکن کبھی یہ بے سروسامانی و پریشانی اس امر کا نتیجہ ہے کہ انسان نے تحصیل
معاش مین جد وجہد اور کسب معیشت مین کدوکاوش کی اور کرتا ہے۔ اور
اُس مین کامیاب بھی ہوا۔ لیکن جو کچھ ملتا ہے اُس کو اپنی ذات پر صرف کرنے کے
بجائے دوسرون پر صرف کرتا ہے۔ خود بھوکا رہتا ہے لیکن دوسرون کا پیٹ
بھرتا ہے۔ خود پھٹے کپڑے پہنتا ہے۔ لیکن بہتیرون کو لباس پہنا دیتا ہے۔ خود
فقیرون کی زندگی بسر کرتا ہے لیکن کتنے فقراء کی زندگی کا سامان کردیتا ہے۔ یہ فقر
وفاقہ اور پریشان حالی وہ ہے جو روح عزت اور جوہر کمال ہے۔ اس کا نام ہے
ایثار۔ اس کا نام ہے مواسات، وہ پھٹا ہوا لباس شاہون کے تاج سے زیادہ
وقیع اور سوکھی روٹی سلاطین کے خوان نعمت سے زائد باوقار ہے اور اس
فقر وفاقہ مین وہ جاہ وجلال ہے۔ جو ارباب دولت واقتدار اور اہل ثروت
وسرمایہ کو نصیب نہین۔

یہ ترک دنیا وہ ہے جس کو مکمل صورت سے امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ نے پیش کیا تھا وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھکر نہین بیٹھے تھے اُنھون نے اموال دنیا کے حاصل کرنے اور کسب معیشت مین کد و کاوش کو ترک نہین کیا تھا۔ اُنھون نے اپنے دست وبازو اور قوت وطاقت کو بیکار نہین رکھا تھا۔ لیکن اس مال کو اُنھون نے کیا کیا؟ خود فاقون پر فاقے کئے، پھٹا ہوا پیوند دار لباس پہنا، فقراء کی سی زندگی بسر کی، لیکن مظلومون کی گلوخلاصی کی، فقراء کی خبرگیری اور غرباء کو منفعت رسانی فرمائی۔ اُن کے متعلق یہ حدیث سابق مین گذر چکی ہے کہ "اعتق الف مملوک من کدّ یدہ" امیرالمومنینؑ نے ایک ہزار غلام اپنی ہاتھ کی کمائی سے خرید کر آزاد کئے۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے لئے اسی سرمایہ سے عمدہ مکان بنوا لیتے اچھے اچھے لباس تیار کراتے اور لذیذ کھانے کھاتے۔ مگر اُنھون نے ایسا نہین کیا۔ اُنکا معیار نظر اس سے بہت بلند تھا۔ اونھون نے دنیا وی لذائذ سے خود متمتع ہونا کبھی گوارا نہ کیا۔ اور نہ سونے چاندی کے انبار لگا کر خزانون کا منھ بھرا اُن کا قول تھا کہ "یا صفراء یا بیضاء غرّی غیری" اے سنہرے روپہلے دل لبھانے والے سکّو کسی اور کو جا کر فریب دو، مجھ پر تمھارا جادو نہین چل سکتا۔"

ان کا ارشاد تھا "طلقتک ثلاثاً لا رجعۃ بعدھا" اے دنیا مین نے تجھ کو تین مرتبہ طلاق دیا ہے جس کے بعد رجوع ممکن نہین۔

حضرات! ہر زبان کے کچھ محاورات ہوتے ہین۔ اور وہ اکثر و بیشتر مجاز یا کنایہ پر مبنی ہوتے ہین۔ اِن مین حقیقت کے تمام خواص و لوازم کا تلاش کرنا اُنکے اصلی مفاد سے علیحدہ ہو جانے کا مرادف ہے کِسی کی اولاد جاتی ہے تو وہ کہتا ہی میری تمام عمر کی کھیتی برباد ہو گئی۔ اب کیا اُس سے دریافت کیا جائے گا کہ کھیتی کہان تھی؟ وہ کس زمین پر تھی اور اُس مین پانی کس طرح دیا جاتا تھا۔ اور جو کچھ کھیتی کے لوازم ہین وہ اُس مین کب موجود تھے؟ ہرگز نہین بلکہ کھیتی برباد ہونا صرف اسی اعتبار سے ہے کہ تربیت اور نشو و نما کے حصول مین محنت کی گئی اور وہ ضایع ہو گئی۔

کبھی کہتا ہے کہ میرا چراغ گل ہو گیا" اب کیا اس سے یہ سمجھا جائیگا۔ کہ چراغ دن کو خاموش اور رات کو روشن کیا جاتا ہے تو وہ فرزند بھی ایسی صورت سے دن کو مخفی رات کو ظاہر رہتا تھا؟

حسین چہرہ کی تشبیہ آفتاب سے صحیح ہی۔ لیکن اُس کے رہنے کے لئے چرخ چہارم کی ضرورت نہین اور رخسار کی تعبیر گلاب سے درست ہے مگر اُس مین خوشبو کے تلاش کی حاجت نہین ہے۔

امیر المومنین علی کا یہ ارشاد کہ طلقتک ثلثا لا رجعۃ بعدھا "مین نے دنیا کو تین مرتبہ طلاق دیا جس کے بعد رجوع نہین" حقیقی اعتبار سے تو ہے نہین اسلئے کہ طلاق عورت سے مخصوص ہے جو بطریق عقد دائم انسان کی زوجیت مین داخل ہوئی ہو اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا نہ کوئی مجسمہ ہستی ہے۔ نہ وہ نوع انسانی کی کسی صنف

مین داخل ہے جو عورت کہی جا سکے اور اُس سے تعلقات از دواج کا قطع کرنا حقیقی معنی مین طلاق ہو۔ بلکہ یہ صرف استعارہ کی صورت سے ارشاد ہوا ہے جس کے معنی یہ ہین کہ جس طرح وہ عورت جس کو تین مرتبہ طلاق دیا جا چکا ہو۔ انسان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہوتی ہے اور کبھی اُن مین تعلقات قائم نہین ہوتے اسی طرح مجھ کو تجھ سے ایسی بے تعلقی ہے۔ جو تغیر و تبدل کے قابل نہین ہو۔

اب یہ سوال پیدا نہین ہوتا کہ طلاق اُس وقت صحیح ہے جب انسان تعلقات از دواج رکھتا ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیرالمومنین کا دامن کبھی دنیا سے ملوث ہوا تھا۔ نیز طلاق بائن ہمارے مذہب کی بنیاد پر اُس وقت ہوتا ہے۔ جب ایک مرتبہ طلاق دیکر پھر رجوع کرے اور پھر طلاق دے۔ اور پھر رجوع کرے۔ اسی صورت سے جب تیسری مرتبہ طلاق دے تو پھر وہ عورت بائن ہو جاتی ہے۔ تو کیا امیرالمومنینؑ کے طرز عمل مین بھی دنیا کے ساتھ یہ انقلابات و تغیرات ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ اس دنیا سے مراد اگر دنیائے ممدوح ہے تو اوس کو طلاق دینے کے کیا معنی؟ اور اگر دنیائے مذموم ہے تو اُس سے ملوث ہونے کا کیا موقع تھا جو طلاق کی ضرورت ہوتی؟

ان تمام خیالات کی بنیاد اسی پر ہے کہ طلاق کو مفہوم کو حقیقی معنی مین سمجھکر اُس کے تمام لوازم کی جستجو کی جائے۔ لیکن حقیقت امر جیسا کہ مین نے بیان کیا اس طرح نہین ہے بلکہ اپنی کامل بے تعلقی کی تشبیہ مطلقہ ثلاثہ یعنے تین مرتبہ طلاق دادہ شدہ عورت

سے ہمیشہ کے قطع تعلق کے ساتھ دنیا منظور ہے جسمیں وجہ مشترک اور سبب مشابہت آیندہ کی بے تعلقی ہے نہ سابق کے تعلقات

اب یہ بے تعلقی ہے کس وقت سے ؟ اسکی تو تحدید نہیں کی گئی ہے اور نہ یہ کہا گیا کہ اب میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں تاکہ شبہہ پیدا ہو سکے قبل کے تعلقات کا۔ بلکہ ارشاد کیا طلقتک ثلثاً میں تجھ کو طلاق دیچکا ہوں یعنی اتنی بے تعلقی کر چکا ہوں جو تین مرتبہ طلاق دینے سے پیدا ہوسکتی ہے۔

اب یہ سمجھنے کا حق باقی ہے کہ اس بے تعلقی کی ابتدا ابتداء فطرت اور آغاز تخلیق سے شروع ہوتی ہے۔ لہذا اس کے لئے کسی خاص زمانہ کی حد مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہ تھا وہ ترک دنیا جس کو امیر المومنینؑ نے کیا تھا لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ مال دنیا کی تحصیل اور کسب معیشت کی جد وجہد ہی ناقابل معافی الزام اور مستوجب مذمت جرم ہے بیشک طلب دنیا اگر صرف ذاتی منفعت رسانی ولذت کشی خود نمائی وخودستائی کے لئے ہے تو وہ قابل نفرت سرمایہ داری ہے مگر جب وہ خلق خدا کی بہبودی اور منفعت نوعی کے لئے ہو تو وہ قابل مدح وستایش ہے اور اس پر واضح الفاظ میں معصوم نے روشنی ڈالی ہے جب کسی شخص نے امام جعفر صادقؑ سے عرض لیا۔ واللہ انا لنطلب الدنیا ونحب ان نوتا ھا۔ بخدا ہم میں دنیا طلبی پائی جاتی ہے اور ہمارا دل چاہتا ہے کہ دنیا

ہمارے ہاتھ آتی ۔"

حضرت نے فرمایا تحب ان تصنع بھا ماذا ۔ یہ تو بتلاؤ کہ تم دنیا کو حاصل کرکے کرنا کیا چاہتے ہو؟ قال اعود بھا علی نفسی وعیالی وا تصدق بھا واحج واعتمر ۔" عرض کیا یہی کہ دنیا کو حاصل کرکے اپنے اور اپنے بال وعیال کیلئے اسباب زندگی مہیا کروں اور لوگوں کو خیرات دوں ۔ اور حج وعمرہ بجا لاؤں ۔" حضرت نے فرمایا لیس ھذا طلب الدنیا ھذا طلب الاخرۃ پھر یہ تو دنیا طلبی نہ ہوئی بلکہ یہ حقیقۃً آخرت کی طلب ہے ۔"

اب بھی کیا زیر بحث مسئلہ میں کوئی گنجلک باقی رہ گئی ؟ کیا یہ خیال اب حق بجانب سمجھا جا سکتا ہے کہ طلب معیشت مین کوشش اور تحصیل مال حلال میں جد وجہد ہی ترک دنیا کے منافی اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے ۔ کیا اس امر میں کوئی شبہہ باقی رہ گیا کہ اسلام اس صورت سے جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے ترک دنیا کا حامی نہیں ہے بلکہ اس طرح کا ترک دنیا نظام اجتماعی اور مفاد ملی اور مصالح قومی کے ساتھ سخت ترین دشمنی اور بے انصافی ہے جس کی اسلام کبھی اجازت نہیں دیتا ۔

دوسرا خیال اور اُسکا دفیعہ

مسئلہ تقدیر کا حل

اور

خدا کو رازق سمجھکر کسب معاش کو غیر ضروری سمجھنے کا ابطال

ایک دوسرا خیال جو باعتبار اپنے نتائج اور مضر اثرات کے پہلے خیال سے زیادہ مہلک اور سمیت آمیز ہے لیکن اکثر دماغون مین راسخ ہے۔ وہ یہ ہے کہ دنیاوی حوادث اور انسانی حالات کا تغیر و تبدل قضا و قدر الٰہی کا پابند ہے اور جو کچھ تقدیر مین ہے وہ ہوکر رہے گا۔ اور اسی تقدیر پر جو مشیت باری کا نتیجہ ہے مستقبل کا دارومدار ہے تو اب انسان جد و جہد کرے۔ دست و پاکو حرکت دے۔ میدان عمل مین سعی و کوشش کرے یا یہ کچھ نہ کرے۔ بہرحال جو کچھ ہونے والا ہے۔ اُس کے لئے وہ ہوگا۔ تو پھر اس تمام کد و کاوش کی ضرورت اور سعی کی حاجت ہی کچھ بھی نہین بلکہ انسان خدا کی مشیت سے لو لگائے بیٹھا رہے اور جو کچھ اُسکی جانب سے ہو اچھا ہو یا برا اُسکا بکشادہ پیشانی استقبال کرے مخصوص طلب معیشت وغیرہ کے متعلق اس خیال کو دوسری لفظون مین یون

پیش کیا جاتا ہے کہ خدا رازق ہے اور اُس نے ہر ذی روح کے لئے رزق مقرر فرما دیا ہے، وہ رزق ملے گا ضرور خواہ انسان جدوجہد سعی و عمل کرے یا نہ کرے تو اب دوکانداری، پیشہ وری، کاشتکاری، دستکاری وغیرہ وغیرہ جتنے ذرائع کسب معیشت ہوں سب بے نتیجہ اور عبث ہیں۔ کیونکہ وہ نہ مقررہ رزق میں زیادتی کر سکتے ہیں اور نہ انسان کا صبر و سکون اور خاموشی اور ان ذرائع سے کنارہ کش ہونا اُس میں کمی پیدا کر سکتا ہے۔ وہ رازق ہے اور جب وہ رازق ہے تو رزق عطا کرے گا ضرور۔ انسان اُسی پر اعتماد کئے بیٹھا رہے اور یہی معنی ہیں توکل کے جو مذہبی تعلیمات میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔

یہ ہے وہ خیال جو اکثر خوش عقیدہ اور پاک طینت لیکن سادہ لوح مسلمانوں کے ذہن میں قائم ہو گیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی حقیقتہً معرفت قضا و قدر اور مذہبی معارف و تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

مذکورۂ بالا نظریہ یا خیال کے متعلق سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ افراد خود اپنے دورِ حیات اور نظام زندگی میں کسب معاش کے علاوہ دوسرے شعبوں میں اس عقیدہ پر کہاں تک عامل نظر آتے ہیں اور اس سے معلوم ہوگا کہ وہ افراد جو اس عقیدہ کے داعی و مبلغ ہیں خود اپنی عملی زندگی میں اُسکی مخالفت پر مجبور رہیں۔ "جو کچھ ہونا ہے وہ ہوگا۔ لہذا انسان کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں" اگر کلیہ کے طور پر بالکل صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اسکا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو کسی

مقصد کے حصول مین کسی قسم کی بھی جد وجہد حق بجانب اور ضروری نہ ہو سر بعض
بتلائے مرض اور تیمار دار خواب استراحت مین، طبیب کی طرف رجوع اور
مرض کی تشخیص اور نسخہ کی تجویز اور دوا کے استعمال کی ضرورت نہین اسلئے
کہ جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہو دے ہی گا۔
سامنے سے شیر کے ہمہمہ کی آواز اور اُسکی آمد اور انسان فرار کرنے پر
قادر لیکن ہاتھ پاؤن کو حرکت نہ دے اس لئے کہ جو کچھ تقدیر مین ہے وہی ہوگا
بھوک کی شدت اور کھانا گھر میں موجود لیکن اُٹھکر پکانا، سامنے لانا، ہاتھ
کو گردش دینا اور لقمون کو دہن تک لیجانا سب بیکار اسلئے کہ اگر سیر ہونا مقدر
میں ہے تو ضرور ہوگا۔ اور پھر خدا رازق ہے۔ رزق پہنچائیگا ضرور۔ ہاتھ
پیرون کو حرکت دینے کی ضرورت ؟
کسی مقصد کے لئے پہونچنا ضروری مثلاً وعظ کی تقریر سننے کا اشتیاق،
لیکن کپڑے پہننا۔ گھر سے باہر نکلنا قدم قدم راستہ قطع کرنا یہان تک کہ جلسہ مین
جاکر بیٹھنا اور زحمت گوارا کرنا سب فضول اس لئے کہ تقریر کی سماعت ہونا
ہے تو ہوگی اس تمام جد وجہد کی ضرورت کیا۔؟
بیشک اگر ہر چیز قضا او قدر کی بنا پر اس طرح ہوتی ہے کہ انسانی جد وجہد
کے ہونے نہ ہونے کو اس مین دخل نہین تو اس مین یہ اور ان کے ایسے ہزارون
نتائج پیدا ہونا ناگزیر ہین۔ لیکن افسوس ہے کہ مذکورۂ بالا صورت عالم انسانی

کے ہر جزو وکل کی سیرت زندگی اور طرز عمل کے خلاف ہے وہی لوگ جو بلند بانگ آواز سے قضا و قدر الٰہی کا نام لیکر اپنے تئین طلب حلال اور کسب معیشت کے فرائض سے سبکدوش بنانا چاہتے ہین وہ بھی دوسرے زندگی کے شعبون مین اس کلیہ پر قائم نہین رہتے کوئی بیمار ہوتا ہے۔ تو اُسکا علاج کرتے ہین' بھوک لگتی ہے تو کھانا پکواتے ہین اور اوسکو کھاتے ہین، کوئی ضرورت ہوتی ہے تو خود راستہ قطع کرتے اور اُس جگہ جاتے ہین' کوئی دشمن حملہ کرتا ہے۔ تو مدافعت کرتے ہین۔ غرض ہر شے کے لئے جو اُس کے اسباب ہین ان کو خود اپنی عملی جد و جہد سے مہیا کرتے ہین اور یہ نہین سکتے کہ ہم کو کچھ کرنے کی ضرورت نہین جو ہوتا ہے وہ ہوگا۔ لیکن ادھر کسب معاش کا مسئلہ پیش ہوا اور بڑی خدا پرستی و توکل پیشہ بن کر فرمانے لگے کہ جتنا مقدر مین ہے وہ خدا دیگا ضرور، محنت کرین یا نہ کرین۔

کیا اسکے یہ معنی نہین ہین کہ صرف بیکاری کی زندگی اور طلب معیشت مین عاجزی و درماندگی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے یہ ایک بہانہ ہے جو مذہبی عقیدہ کی صورت مین پیش کیا جارہا ہے ورنہ اگر عقیدہ پر سچا ایمان ہوتا تو اُسکا اثر زندگی کے دوسرے شعبون مین بھی ضرور نظر آتا۔ اب مجھ کو یہ دیکھنا ہے کہ حقیقۃً یہ خیال قضا و قدر کے مسئلہ کے تحت میں صحیح بھی ہے یا نہیں؟

بیشک قضا و قدر حق ہے اور عالم تکوین کا ہر حادثہ قرار داد الٰہی کا پابند ہی

اور یقیناً جو شے جس صورت سے مقدر ہو اُسی صورت سے انجام پذیر ہونا ضروری
ہے۔ لیکن دیکھنا اس بات کا ہے کہ قضا و قدر الٰہی جاری کس طرح پر ہوتی ہے۔ اور
قرار دادِ باری کی نوعیت کیا ہے اور تقدیر کس صورت پر قائم ہوئی ہے۔ جس طرح اور
جس نوعیت میں اور جس صورت پر قضا و قدر کا نفاذ ہوا ہے وہی ہو کر رہیگا اور اُس
مین تغیر و تبدل ناممکن ہے۔ عالم امکان اور دنیا کے مقررہ نظام کا جب جائزہ لیا
جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی بنیاد ذرائع و اسباب پر قرار دی گئی ہے اور بغیر کسی
غیر معمولی مصلحت کے جو اعجاز و کرامت کا باعث ہو اس اصول کی مخالفت نہیین
ہوا کرتی۔ ابر آئے تو پانی برستا ہے، آفتاب طلوع ہو تو دھوپ نکلتی ہے۔ آگ
ہو تو شعلے اُٹھتے ہین۔ پانی ہو تو آگ بجھتی ہے۔ پیاس بجھانے کے لئے پانی پینے
کی ضرورت اور بھوک جلنے کے لئے کھانا کھانے کی حاجت ہے جو شخص پہاڑ سے
ٹکرگئے پاش پاش ہوگا۔ آگ مین پھاند سے جل کر خاک ہوگا سنکھیا کھائے ہلاک
ہوگا سمندر مین پھاند پڑے غرق ہوگا۔ غرض جیسے اسباب و ذرائع مہیا ہون ویسا
نتیجہ بر آمد ہوگا۔ اور درحقیقت کسی شے کے اچھے برے نتائج ظاہر ہونے کی ذمہ داری
انسان پر ان ہی اسباب و ذرائع سے عائد ہوتی ہے جو ان نتائج کے موجب مین اگرچہ
خود وہ نتائج انسان سے مجبوری اور بے بسی کے عالم مین نمودار ہوان لیکین وہ
اس کے ہاتھون ہوتے ہین اس اعتبار سے کہ وہ انکے اسباب کا ذمہ دار ہے۔
بندوق کا رخ کسی کی طرف کر کے فیر کرنے والا اس کا قاتل ہے، حالانکہ روح و بدن

کا افتراق نفس کی آمد وشد کا انقطاع، حرکت قلب کا رکنا اور دم کا نکلنا اسکے
ہاتھ کا کام نہ تھا اور گولی کا پڑنا اُسکا درآنا اور سینہ کو توڑکر نکل جانا بھی اس کے
بس کی بات نہ تھی۔ اور نہ جب وہ گولی ہوا کے دامن مین اور فضا کی آغوش مین
پوری قوت کے ساتھ جارہی تھی تو یہ اُسکے روکنے پر قادر تھا۔ لیکن پھر بھی قاتل یہ
ہے اس لئے کہ بندوق کا رخ اُس طرف کرکے اس انداز کی تحریک جس کا نام ہے فیر
اس کا کام تھا اور اختیاری کام اس لئے آخر تک جتنے نتائج ہوں وہ اسی کے
دست وبازو کا کرشمہ ہین۔

انسان کی کسی خاص نتیجہ پر تعریف یا مذمت بھی انہی اسباب کی بنا پر ہوتی ہو
جنھین وہ باختیار خود فراہم کرتا ہے۔ بے شک غیر معمولی حوادث کبھی نتیجہ کو انسان
کے مزعومہ اسباب وذرائع سے علیحدہ بھی کرتے ہین جس کا کبھی تو یہ باعث ہوتا ہے کہ
انسان کی نظر نے اسباب کی تشخیص مین غلطی کی اور جس کو وہ سبب سمجھتا تھا حقیقۃ سبب
ہی نہ تھا فریب نظر تھا اور سراب خیال لہذا اسباب وسببات کے فلسفہ کا قدرتی تقاضا
ہی یہ تھا کہ وہ نتیجہ حاصل نہو اور کبھی انسان اسباب مہیا کرتا ہے اور ٹھیک ترتیب سے
لیکن قدرت کی طرف سے کوئی غیر معمولی مانع پیدا کردیا جاتا ہے جو اُن اسباب کی
کامیابی مین سدراہ ہوجاتا ہے۔ یہ کامیابی وعدم کامیابی انسان کے بس کے
بات نہین اور نہ وہ اس کا ذمہ دار ہوتا ہے لیکن اُسکی ذمہ داری اسباب وذرائع
کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اسی پر وہ مدح یا قدح تعریف وثنا یا سرزنش وملامت

کا مستحق بنجاتا ہے۔

بندوق چلائی اور پوری قوت کے ساتھ اور یہ سمجھکر کہ فلاں شخص پر جا کر لگے لیکن اتفاق سے نشانہ نے خطا کی اور گولی ہٹکر پڑی، اس سے وہ شخص بری نہین ہوسکتا جس نے گولی کا فیر کیا تھا۔ وہ مجرم ہے اور بہرحال مجرم یہ اور بات ہے کہ جو نتیجہ تھا وہ حاصل نہوا۔ یا اگر وہ حملہ کسی صحیح مقصد سے اور فریضہ کے تحت میں تھا تو گولی لگا کر ہی وہ اپنے فرض سے ادا ہوا اور مدح و ثنا کا مستحق بن گیا، کامیابی و عدم کامیابی کا مرحلہ جداگانہ ہے۔ اسی کو عرب کے فلسفی شاعر نے یون کہا ہے۔

علی المرء ان یسعی بمقدار جهده

ولیس علیه ان یکون موفقا

انسان اپنی سعی کرے، نتیجہ کی ذمہ داری اور کامیابی و عدم کامیابی اسکے فرض سے خارج ہے۔

رزق اور اُس کے مختلف مراتب یہ بھی اسی مقررہ نظام عالم کے تحت مین ہین جو اسباب و ذرائع کا پابند ہے ابی اللہ الا ان یجری الاشیاء علی اسبابھا۔

خدا نے انکار کیا ہے اسبات سے کہ اشیاء کی رفتار اسباب طبیعیہ کے خلاف ہو۔

بیشک مشیت الٰہیہ بدل نہین سکتی اور خدا کی تقدیر کے خلاف ممکن نہین۔ لیکن دیکھنے کی ضرورت ہے کہ تقدیر الٰہی جاری کس طرح ہوئی ہے؟ اگر تقدیر الٰہی مطلق ہے اور غیر مشروط تو اُسکا پورا ہونا بہر حال ضروری ہے، خواہ انسان سعی و عمل کرے یا نہ کسب معیشت مین زحمت و مشقت اُٹھائے یا نہ لیکن اگر تقدیر الٰہی مشروط ہے اور قرار داد یون ہی ہوئی ہو کہ جب انسان سعی و کوشش کرے اور جد و جہد سے کام لے تو اُسے اتنا رزق عطا کیا جائے تو اسکا اقتضا یہ ہو کہ بس سعی و کوشش کی صورت مین وہ رزق حاصل ہو بغیر سعی و طلب معیشت مین جد و جہد کے اُس رزق کا حاصل ہونا تقدیر الٰہی کے خلاف اور معینہ قرار داد کے منافی ہے۔

اب اگر انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا اور بسر زندگی کے اسباب مہیا کرنے مین کوتاہی کی نتیجہ مین تنگدستی و احتیاج اور فقر و فاقہ کی مصیبت مین گرفتار ہوا تو اُسکی ذمہ داری خود اُسکے غلط طرز عمل پر ہے۔ لیکن اگر اُس نے اپنے مقدور بھر جد و جہد کی اور زحمت و مشقت برداشت کی اور اُس کا کچھ نہ کچھ نتیجہ حاصل ہوا تو وہ تقدیر الٰہی کا نتیجہ ہے اس لئے کہ انسان کا کام کوشش کرنا ہے اور کامیابی عطا کرنا خدا کی طرف سے ہے۔

کوشش کے بعد اگر ناکامی ہوئی تو پھر انسان پر کوئی الزام نہین معلوم ہوگا مصلحت باری یہ ہے کہ کچھ روز تک اُسکو تکالیف برداشت کرنا پڑین، وہ صبر کا

موقع ہے اور اگر کامیابی ہوئی تو وہ خداوند عالم کی جانب سے ہے اُس پر
شکر کا موقع ہے لیکن اگر انسان نے کوشش نہ کی اور اس لئے سختی میں زندگی
گذاری تو وہ اُسکے ہاتھوں سو ہے اُس پر دوسرون کو ملامت کا موقع ہے
حضرت احدیت عز اسمہ نے انسان کی ذمہ داری بالکل اپنے اوپر نہیں لے لی
ہو تاکہ انسان کی قوت عمل سلب ہو اور اسباب مہیا کرنیکا وہ ذمہ دار نہ ہے لیکن اُن
اسباب مین کامیابی عطا کرنا اپنے ہاتھ مین رکھا ہو کہ انسان اپنی قوتِ عمل پر بھروسا
کرکے اپنے تئین اُس سے بے نیاز نہ سمجھے اور اُس کے سامنے سر تسلیم خم کرتا رہے
وہ رازق ہے یعنی عطا کرنے والا وہی ہے لیکن اُن اسباب کے ذریعہ
سے جنھین انسان کو مہیا کرنا چاہیئے اس طرح ایک طرف انسان جد و جہد کے
فرض سے سبکدوش نہین معلوم ہوتا اور دوسری طرف خدا پر توکل کے معنی ظاہر
ہوتے ہین اور اُسکی رازقیت کا عنوان معلوم ہوتا ہے۔ اُس کو رازق سمجھکر ہاتھ
پر ہاتھ رکھکر بیٹھ جانے والے غلط راستہ پر ہین جس طرح وہ جو صرف اپنی ذاتی محنت
پر بھروسا کر کے اپنے تئین خدا سے مستغنی سمجھنے لگے ہون کسب معاش مین زحمت
و مشقت برداشت کرنے کے بعد محرومی و ناکامی سے دو چار ہونا یا دو پیشہ ورون
مین جو خاص موقع و وقت، خاص صورت، خاص اسباب و ذرائع کے ساتھ مصروف
عمل ہوئے ہون ایک کو زیادہ نفع ہونا اور دوسرے کو کم اُس خود مختار غیبی طاقت
کے کرشمے اور انسانی محدود طاقت پر اعتماد کرنے والون کے لئے تازیانۂ عبرت ہین

لیکن اس ناکامی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان اپنی قوت عمل کے صرف کو بے کار سمجھ کر خاموش بیٹھا رہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حقیقۃً رزق کے مسئلہ میں قضا و قدر الٰہی کس صورت سے جاری ہوئی ہے یقیناً اس کو وہی بتا سکتے ہیں جو حقیقت شناس رموز قدرت اور سبق خوان مدرسۂ الوہیت ہوں جنکو لوح محفوظ کے مندرجہ نقوش اور عالم تقدیر کے تمام کائنات کا براہ راست علم دیا گیا ہو۔ انھوں نے بتلا دیا کہ خدا کی رازقیت کس طرح ہے اور تقدیر الٰہی کی نوعیت کیا ہے۔ اُن کا ارشاد ہے کہ "تسعۃ اعشار الرزق فی التجارۃ" رزق کے فی صدی نوے حصہ تجارت میں مضمر ہیں۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ بغیر تجارت فی صدی دس حصہ رزق کا حاصل ہوسکتا ہے لیکن فی صدی نوے حصہ وہ ہے جو تجارت کے ساتھ مشروط ہے۔

اُن کے ارشادات و ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس خیال کی خاص طور پر رد کی ہے کہ خدا رازق ہے۔ لہٰذا انسان کو جد و جہد کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے بتلایا ہے کہ انسان کے اوپر سعی و کوشش فرض ہے اور اپنے مقدور بھر ہاتھ پاؤں کو حرکت دینا لازم ہے

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال سادہ لوح افراد کے دل میں آج نہیں بلکہ بہت پہلے زمانۂ رسولؐ میں پیدا ہوا تھا لیکن اس کی فوراً رد کی گئی چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں۔ انّ قوماً من اصحاب رسول اللہؐ لما

نزلت ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب اغلقوا الابواب و اقبلوا علی العبادۃ وقالوا قد کفینا فبلغ ذلک النبیؐ فارسل الیھم فقال ما حملکم علی ما صنعتم فقالوا یا رسول اللہ تکفل اللہ لنا بارزاقنا فاقبلنا علی العبادۃ فقال انہ من فعل ذلک لم یستجب لہ علیکم بالطلب" کچھ لوگ اصحاب رسولؐ میں سے جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے خدا اس کے لئے کشاکش پیدا اور غیر معلوم طریقوں سے اسکو رزق عطا فرماتا ہے۔ تو انھوں نے دروازے گھروں کے بند کر لئے اور عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے اور کہا کہ اب کیا خدا تمھارے رزق کا ذمہ دار ہو ہی گیا یہ خبر جناب رسالتمآبؐ کو پہونچی حضرت نے اُن کے پاس آدمی بھیجا اور فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا نے تو ہمارے رزق کی ذمہ داری کر لی ہم اوسکی عبادت میں مصروف ہو گئے پھر حضرتؐ نے فرمایا تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جو ایسا کرے اوسکی کوئی دعا خداوند کریم کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے تمھارا فرض ہے کہ تم طلب معاش کرو

اس حدیث سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے اور کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا، لیکے جو یہ بھی امام صوفیہ موقع ملے تو اس خیال کی کمزوری کو ظاہر فرماتے رہے ہیں اور بتلاتے رہتے ہیں کہ انسان کے لئے ظاہری اسباب و ذرائع سے بے نیاز ہونا ممکن نہیں ہے ملاحظہ ہو عمرو بن یزید کی روایت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں ارئیت لو ان رجلا دخل بیتہ و اغلق بابہ اکان یسقط علیہ شیئی من السماء" تم خود سمجھو کہ اگر انسان گھر میں بیٹھ رہے اور دروازہ بند کرے تو کیا چھت پھاڑ کر آسمان سے کچھ اسکو مل جائیگا۔

دوسری حدیث مین جناب رسالت مآبؐ کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ حضرتؐ نے فرمایا ان اصنافا من امتی لا یستجاب دعاءھم. میری امت مین چند قسم کے لوگ ایسے ہین جن کی دعا قبول نہین ہوسکتی۔ اسی سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے ورجل یقعد فی بیتہ ویقول یارب ارزقنی ولا یخرج ولا یطلب الرزق فیقول اللہ عز وجل عبدی الم اجعل لک السبیل الی الطلب والتصرف فی الارض والجوارح صحیحۃ فتکون قد عذرت فیما بینی وبینک فی الطلب لاتباع امری ولکیلا تکون کلا علی اھلک" ایک وہ شخص ہے جو اپنے گھر مین بیٹھا رہے۔ اور کہے خداوندا مجھے روزی عطا کر لیکن گھر سے نکلے نہ اور روزی کی تلاش نہ کرے تو خداوند عالم (عالم معنی مین) اُس سے خطاب فرماتا ہے کہ اے میرے بندے کیا مین نے تجھ کو تحصیل معاش کی قوت اور اطراف زمین مین نقل وحرکت کی طاقت اور اعضاء وجوارح عطا نہیں کئے اس لئے کہ تو اپنے اعضاء وجوارح کو عمل مین لاکر میرے اور اپنے درمیان مین اپنے فرض سے سبکدوش ہوجا اور اپنے اعزا واقارب کے لئے بار دوش نہ بن"

تیسری حدیث، ارشاد ہوتا ہے انی لابغض الرجل فاغرا فاہ الی ربہ فیقول ارزقنی ویترک الطلب" مجھ کو عداوت ہے ایسے شخص سے جو آسمان کے رخ پر منھ کھولے بیٹھا رہے "خداوندا مجھ کو روزی عطا کر" لیکن خود کوئی جد وجہد نہ کرے

چوتھی حدیث امیر المومنینؑ نے آیۂ مبارکہ انہ ھو اغنی واقنی "خدا ہی وہ ہے

جو لوگون کو غنی بناتا اور ان کے دلون کو خوشنود کرتا ہے"۔ اس کی تفسیر مین ارشاد فرمایا ہے۔ اغنی کل انسان بمعیشته وارضاه بکسب یده "خدا غنی بناتا ہر ہر انسان کو لیکن اُس کے ذاتی کسب معاش سے اور وہ اُس کے دل کو خوشنود کرتا ہے مگر اُسی کے دست وبازو کی محنت سے"

پانچوین حدیث ۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہین۔ یعجز احد کمان یکون مثل النملة فان النملة تجرالی جحرھا "کیا تم چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور ہو کیونکہ چیونٹی بھی اپنے سوراخ مین خود غذا کھینچکر لیجاتی ہے" کیا اس سے بڑھکر صاف لفظون کی ضرورت ہے؟

مطلب یہ ہو کہ چھوٹی سی چھوٹی چیز چیونٹی اُسکے بھی خدا نے اس طرح رزق کی ذمہ داری نہین لی ہے کہ وہ اُس کو گھر بیٹھے رزق عطا کرے بلکہ خود چیونٹی نکلتی ہو خود اپنے کمزور پیرون سے رزق کی تلاش کرتی ہے اور اپنے مختصر دہن سے اپنے مقدار کفاف کو کھینچکر اپنے مسکن مین لے جاتی ہے تو پھر تم کیا چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور ہو کہ تم اس بات کے متوقع رہو کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے تم کو گھر بیٹھے رزق عطا کیے جائے

چھٹی حدیث امام جعفر صادقؑ کی خدمت مین اصحاب کا مجمع تھا کہ علاء بن کامل حاضر خدمت ہوئے اور حضرت کے سامنے بیٹھ گئے عرض کیا ادع اللہ ان یرزقنی فی طلب دعة خدا سے دعا فرمائیے کہ مجھ کو راحت و آرام کے ساتھ رزق عطا فرمائے بیشک بہت کامیاب نسخہ تجویز کیا تھا۔ امام کی دعا اور پھر اگر وہ ہو جاتی تو کیا ممکن تھا

قبول نہ ہوتی۔ لیکن امام نے جواب دیا لا ادعو لك اطلب کما امرك اللہ عزوجل
"میں دعا نہیں کروں گا جاؤ اور جیسا کہ خدا نے حکم دیا ہے خود طلب معاش کرو"

اسی طرح کی ایک روایت کلیب صیداوی کی ہے قلت لابی عبد اللہ
ادع اللہ لی فی الرزق فقد التاثت علی اموری زمین نے امام جعفر صادق
سے عرض کی کہ ذرا خدا سے میرے لئے رزق کے بارے میں دعا کر دیجئے۔ اس لئے
کہ میں آج کل بڑے مشکلات میں مبتلا ہوں۔ حضرت نے فرمایا لا اخرج فاطلب نہیں
گھر سے نکلو اور خود طلب معاش کرو۔

امام نے دعا نہ کی اس لئے کہ قوت عمل سلب نہ ہو۔ اور ذاتی محنت و کاوش
سے دستکشی کر کے آرام طلبی کی عادت نہ پڑے امام موجود تھے۔ اور اُن سے دعا
کی خواہش آسان اور دعا کر دینا بھی معمولی امر تھا۔ لیکن امام نے دعا سے انکار کر کے
ہمیشہ کے لئے ایک عظیم سبق دیدیا۔ کہاں ہیں۔ زیارت مشاہد مقدسہ سے مشرف
ہونے والے اور ضریح مطہر کے سامنے قبہ مبارکہ کے نیچے ہاتھ اٹھا اٹھا کر وسعت
رزق اور خوشحالی و کشائش کی دعا مانگنے والے دعا مانگنا آسان ہے۔ لیکن اُن کو
کیا معلوم کہ ضریح مبارک سے عالم معنی میں یہی آواز نہ آجاتی ہوگی کہ نہیں ہم تمہارے
لئے دعا نہ مانگیں گے جاؤ اور محنت مزدوری کر کے خود اپنی روزی حاصل کرو۔ بیشک
جب انسان نے اپنی طاقت کو صرف کر دیا۔ اور اپنے مقدور بھر سعی کوشش کی تو اسکا
فرض ادا ہو گیا۔ پھر خداوند عالم کا کام ہے کہ وہ اُس کو کامیابی عطا کرے کبھی وہ ایک

کمزور دست وپا کی کمزور کوشش مین ایسی برکت عطا فرماتا ہے کہ بڑے بڑے
طاقتور و توانا اشخاص کی جد و جہد مین حاصل نہین ہوتی اسی سے ایک
تیسرے خیال یا کمزوری کا ظاہر ہوتی ہے جس کو اکثر افراد اپنی بیکاری
اور کسب معیشت مین کوتاہی کے حق بجانب ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے
ہین اور وہ یہ کہ تجارت کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے اور ہمارے پاس سرمایہ
ہی نہین تو تجارت کیونکر کرین ؟

حضور والا تجارت کسی بڑی کمپنی، بڑے کارخانہ، بڑے ادارے ہی کے
قائم کرنے کا نام نہین ہے، کسب معیشت اور تجارت کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ وہ
زیادہ یا کم سرمایہ پر موقوف نہین ہے، وہ ہزارون لاکھون روپیہ سے بھی
شروع ہوسکتی ہے اور دو چار پیسوں سے بھی جس طرح لاکھون روپیہ کی تجارت
شروع کرنے کے بعد انسان اپنے فرض سے ادا ہوجاتا ہے لیکن اُس کی ترقی نشوونما
اور سود مندی کسی دوسری بالادست ہستی کی جانب سے ہے اسی طرح چند پیسوں
کی تجارت شروع کرکے بھی انسان اپنے فرض سے ادا ہوتا ہے اور اُس میں خیر و برکت
عطا کرنا دوسرے کا کام ہے پھر اگر انسان کے پاس بہت زیادہ سرمایہ نہین تو اس کے
معنی یہ نہین کہ جو کچھ اُس سے ممکن ہے۔ اُس سے بھی فائدہ حاصل نہ کرے۔

یہ سبق بھی ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اقوال سے بہت واضح طور پر حاصل
ہوتا ہے ملاحظہ ہو۔ عبد الرحمن بن حجاج کی روایت، وہ کہتے ہین کہ ہمارے سلیمون

مین سے مدینہ مین ایک شخص تھا وہ سخت تنگدستی مین مبتلا اور فقر وفاقہ مین گرفتار
ہوا، امام جعفر صادقؑ نے فرمایا اذھب فخذ حانوتا فی السوق وابسط بساطا
فلیکن عندك جرة ماء والزم باب حانوتك ثم ذکر انه فعل ذالك وصبر
فرزقه الله وکثر ماله واثری۔
جاؤ اور بازار مین ایک جگہ مقرر کرکے فرش بچھاؤ اور بس اپنے پاس
ایک صراحی پانی کی رکھ لو لیکن کسی وقت دوکان پر سے ہٹو نہ یعنے پابندی کے ساتھ
دوکان پر بیٹھو، راوی کا بیان ہے کہ اس شخص نے امام کی ہدایت پر عمل کیا۔ اور خداوند
عالم نے اسی ذریعہ سے اُس کو رزق عطا کیا اور کچھ دن مین اُس کی ثروت
مین اضافہ ہوا اور وہ مالدار ہو گیا۔ بس اب حیلہ وبہانہ کے سلسلہ میں کوئی کڑی
باقی نہین رہی اور طلب معیشت مین کسی قسم کا عذر قابل سماعت نہین رہا سرمایہ
کی کمی کا عذر بالکل ناقابل سماعت قرار پا گیا ہے اس لئے کہ انسان کے پاس کچھ
روپیہ نہ ہو لیکن پانی تو ممکن ہے۔ انسان۔ اُسی پانی کو لے کر لب راہ بیٹھ سکتا ہے
آنے جانے والون مین پیاسون کی کمی نہین ہوتی ہے اور انھیں ایک پیسہ دیکر ایک کٹورا
پانی پی لینے میں کوئی عذر نہین ہو سکتا۔
یہ درحقیقت مثال ہے یہ ضروری نہین کہ انسان پانی ہی سے تجارت شروع کرے
مقصد یہ ہے کہ کم سے کم جیسا بھی انسان سے ممکن ہو اُسی کاروبار شروع کرے اور اپنی
ذمہ داری کو پورا کرکے فرض کو انجام دے۔

اس قسم کے احادیث متعدد موجود ہیں، سدیو کی روایت ہے۔ میں نے امام جعفر صادق ؑ سے پوچھا ای شئ علی الرجل فی طلب الرزق "طلب معاش کے سلسلہ میں انسان کا فرض کیا ہے" فقال اذا فتحت بابک وبسطت بساطک فقد قضیت ماعلیک "حضرت نے فرمایا جب تم نے دروازہ کھول دیا اور زمین پر فرش بچھا کر کچھ لیکر بیٹھ گئے تو بس تم نے اپنے فرض کو پورا کر دیا۔

طیار کا بیان ہے کہ مجھ سے امام محمد باقر ؑ نے دریافت فرمایا۔ ای شئ تعالج ای شئ تصنع "تمھارا کیا روزگار ہے کونسا کاروبار کرتے ہو؟ قلت ما انا فی شیئی "میں نے عرض کیا کہ میں تو بالکل بیکار ہوں، کوئی روزگار نہیں ہے جعفرت نے فرمایا۔ فخذ بیتا وکنس فناہ ورشہ وابسط فیہ بساطا فاذا فعلت فقد قضیت ماعلیک "ایک جگہ مقرر کرو اور اُس کو صاف کرکے پانی چھڑک کر اُس میں فرش بچھاؤ اور بیٹھ جاؤ اگر تم نے ایسا کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنا فرض ادا کردیا راوی کہتا ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا اور میرے کاروبار میں ترقی ہوئی اور مجھکو رزق عطا ہوا۔

ابوعمارہ طیار کی روایت قلت لابیعبد اللہ انہ قد ذھب مالی و تفرق مافی یدی وعیالی کثیر "میں نے امام جعفر صادق ؑ سے عرض کیا کہ میرا مال سب جاتا رہا اور جو کچھ تھا وہ متفرق ہو گیا۔ اور میرے متعلقین بہت ہیں سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں حضرت نے فرمایا اذا قدمت فافتح باب حانوتک

وابسط بساطك وضع میزانك وتعرض لرزق ربك" اپنی دوکان کا دروازہ کھولو اور فرش بچھاؤ اور ترازو لیکر بیٹھ جاؤ اور اس طرح خداوند عالم کے رزق کا اپنے تئین مستحق ثابت کرو"

پھر اگر کچھ بھی انسان کے پاس نہ ہو کہ وہ اُس سے تجارت کرسکے اور اُس کو فروخت کرے تو انسان کے ذاتی اعضاء وجوارح دست وبازو کی قوت وہ ترکی سرمایہ کی محتاج نہین ہے۔ انسان اُسی کے ذریعہ سے طلب معاش کرسکتا ہے۔ چنانچہ زرارہ کی روایت ہے ان رجلا اتی اباعبد الله فقال انی لا احسن ان اعمل عملا بیدی ولا احسن اتجر وانا محارف محتاج "ایک امام جعفر صادق ع کی خدمت مین حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے کوئی کام نہین آتا اور تجارت کا بھی سلیقہ نہین بالکل فقیر ومحتاج اور عاجز ہون پھر اب کیا کرون؟" امام نے فرمایا اعمل فاحمل علی راسك واستغن عن الناس فان رسول الله قد حمل حجرا علی عنقه فوضعه فی حائط من حیطانه "بیکار نہ رہو کچھ نہین تو اپنے سر پر اسباب ڈھو کر مزدوری کرو اور اس طرح لوگون سے استغنا حاصل کرو اور یہ کوئی ذلت کی بات نہین ہے۔ رسالتمآب ؐ اپنی گردن پر پتھر اٹھا کر لے گئے ہین اور باغ مین رکھا ہے۔" اس سے۔

چوتھے خیال کا دفعیہ بھی ہوگیا۔ جو اکثر ذہنیتون مین پایا جاتا ہے کہ تجارت جب تک کسی اعلی پیمانہ پر نہ ہو وہ انسان کی حقارت کا باعث ہے اور یہ کہ مزدوری

وپیشہ وری انسان کی ذلت کا سبب ہے ۔ اور درحقیقت یہ افسوسناک خیال وہ ہے جو عام طور پر ہماری قوم کے افراد کے لئے تجارت وپیشہ وری میں سدراہ ہوگیا ہے ۔ ہماری قوم میں پیشہ ور ذلیل نظروں سے دیکھا جاتا ہے ۔ اور مزدوری کرنے والا پست درجہ کا شخص سمجھا جاتا ہے ۔ جب تک یہ خیال راسخ ہے اور سفیدپوش طبقہ ان چیزوں کو ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے ۔ اُس وقت تک کسی قسم کی کامیابی ہونا مشکل ہی کیونکہ اس افلاس وپریشان حالی کے عالم میں جو عام وبا کی صورت سے افراد قوم میں پھیلی ہوئی ہے یہ توقع تو کی نہیں جاسکتی کہ ہر شخص کوئی بڑا کارخانہ یا ایجنسی یا کمپنی قائم کرسکتا ہے جو باعزت نظر سے دیکھا جائے ابھی تو جو صورت ممکن ہی وہ یہی کہ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق معمولی سرمایہ سے ایک کام کو شروع کرے پھر جب وہ سمجھتا ہے کہ جس دن میں نے ایسا کیا اُس دن سے میری جو بھی موجودہ عزت ہے وہ خاک میں مل جائے گی جو لوگ آج سلام کرتے ہیں وہ منھ دیکر بات نہ کریں گے تو بھلا وہ کاہے کو قدم آگے بڑھانے لگا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ نکبت و افلاس میں زیادتی ہوتی جائے اور قوم کا مرض ترقی کرتے کرتے ایک دن اُسکو گوشہ قبر میں پہونچادے ۔

یہی ذہنیت وہ تھی جس کے بدلنے کے لئے ائمہ معصومین علیہم السلام نے اپنے طرزِ عمل کے نمونے دکھلائے ۔ حضرت رسول ؐ کی سیرت سے نظیریں پیش کیں اس لئے کہ دنیا میں کوئی کتنی ہی عزت نہ حاصل کرلے لیکن اگر وہ مسلمان ہے تو اپنے رسولؐ

کی عزت کے مقابلہ کا دعوے نہین کرسکتا۔ عالم امکان کی یہی عظیم ہستی جس کی عزت کے مقابلہ مین دنیا کی عزتین خاک سیاہ ہین۔ ہم کو مزدوری کرتے نظر آرہی ہے تو اب دنیا مین کون ہوسکتا ہے جو اپنی عزت کے گھمنڈ پر مزدوری کو اپنے لئے عار وننگ سمجھے۔

اگر ائمہ معصومینؑ کی سیرت پر نظر کرو تو تمھین معلوم ہوگا کہ وہ بلند آواز سے اعلان کر رہے ہین کہ پیشہ ور افراد کو ذلیل نظر سے نہ دیکھو صنعت وحرفت، تجارت، مزدوری کو حقارت کا باعث نہ سمجھو۔ وہ لوگ جو پیشہ ور لوگون کو ذلیل نظر سے دیکھتے ہین اگر غور کرین تو حقیقۃً انبیاء کو ذلت کی نظر سے دیکھتے ہین۔ ائمہ معصومینؑ کو بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ سب پیشہ ور تھے اور مزدوری کرتے تھے۔ اگر اُن کی عظمت کا دل پر اثر اور اُن کی عزت کا لحاظ ہے۔ تو پیشہ وری ذلیل نظر سے دیکھے جانے کی مستحق نہین ہے۔

سابقہ بیانات کے متعلق پیدا شدہ سوالات کا حل

قناعت اور اُسکا مفہوم

میرے سابقہ بیانات کے سلسلہ مین جو سوالات پیش کیے گئے ہین اُن مین سے پہلا یہ ہے کہ قناعت کیا چیز ہے اور وہ کہان تک کسب معاش کے سلسلہ مین انسان کے لئے ضروری ہے اور کیا طلب معاش مین سعی وکوشش قناعت کے خلاف تو نہین ہے؟

قناعت کے مفہوم پر جہاں تک غور کیا جاتا ہے۔ اُس کے دو شعبہ ہیں ایک قناعت فی الطلب اور دوسرے قناعت فی المصرف، کیونکہ انسان کی زندگی بھی باعتبار اموال دنیا کے اِن ہی دو دوروں میں منقسم ہو۔ ایک دور اموال کے جمع کرنے کا اور دوسرا دور صرف کرنے کا اور اِن دونوں شعبوں میں قناعت کا عنصر کارفرما ہے۔ پہلا یعنی قناعت فی الطلب یہ ہو کہ انسان جو کچھ اُس کی ذاتی محنت و مشقت، کدو کاوش سے اُس کو دستیاب ہو اور کار طبعی کمائی کا جو کچھ روپیہ اسکو ملے کم یا زیادہ اُسی پر راضی و خوشنود ہو کر شکر خدا ادا کرے اور دوسروں کے اموال کو للچائی نظروں سے نہ دیکھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس کے ہاتھ آجائیں مثلاً انسان نے دوکان لگائی اور دن بھر دوکان میں بیٹھا جو کچھ خدا کو منظور تھا اُتنی آمدنی اُسکو حاصل ہوئی۔ مزدور صبح سویرے مزدوری کرنے باہر نکلا اور اپنی ذاتی مشقت و زحمت سے دن بھر کام لیا اور جتنا منظور الٰہی تھا اُتنا اُس کے ہاتھ آیا، صناع صنعت و حرفت کے آلات لے کر بازار گیا اور جتنے کی مزدوری لگنا تھی اتنے کی لگی اور گھر واپس ہوا۔ تو یہی آمدنی جو اُس کو اپنی محنت مزدوری سے حاصل ہوئی ہے اُس کو وہ اپنے لئے سلطنت ہفت اقلیم کے برابر سمجھے، بیشک اُسکا حق ہے، کہ دوسرے دن اگر اُس کے لئے وسیع ذرائع مہیا ہوں تو اُن ذرائع کو عمل میں لائے اور کوشش کرے لیکن نتیجہ کو اُس کے پھر بھی خدا کے سپرد کرتے ہوئے صبر وسکون کے ساتھ اُس کے استقبال پر تیار ہو۔

یہ نہین کہ جو کچھ اپنے ہاتھ آیا۔ وہ آیا لیکن نیت نہین بھرتی دوسرون کے
ہاتھ مین جو اموال ہین اُن کی طرف بھی حرص و آز کی نظرین پڑ رہی ہین اور یہ فکر
ہے کہ کسی نہ کسی طرح اُن پر قبضہ ہو اس کے لئے اگر ضرورت پڑی تو دست سوال اور
موقع ہوا تو دست تعدی دراز کیا اور اُس کو حاصل کیا۔ یہ ہے وہ طمع و حرص جو انسانی
جذبات میں سیلاب کا حکم رکھتی ہے۔ اور وہ پیدا ہونے کے بعد کسی حد محدود
تک ٹھہرنا نہیں جانتی اس لئے کہ خدا کی نعمت لامحدود اور انسانی افراد کا تفرقہ
اُس میں لاانتہا ہے۔ انسان اگر جذبۂ حرص رکھتا ہے تو وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا
اس لئے کہ وہ جتنی بھی کوشش کرے خدا کی تمام خدائی اُس کے قبضہ مین نہ آئیگی
اور اس لئے وہ جتنا مالدار اور صاحب ثروت و اقتدار ہو جائے۔ لیکن ہمیشہ وہ بھوکا
ہے اسلئے کہ اُسکی نیت سیر نہین ہوئی۔ برخلاف اُس شخص کے جو جوہر قناعت کو اپنے پاس
لئے ہوئے ہے۔ وہ جد وجہد کرتا ہے اور کوشش و کاوش کی جائز حدود کو ختم کرتا
ہے لیکن اس کے بعد جو کچھ اُس کو مل جاتا ہے۔ اس کو وہ اپنے لئے کافی سمجھتا ہے
اور اُس کی سیرچشمی اُس کو آگے نظر اُٹھا کر دیکھنے کی بھی دعوت نہین دیتی اور اب اگر
شوکت شاہانہ بھی سامنے ہو اور دولت قارون بھی پیش پا ہو تو وہ ٹھوکر مارنے کے
لئے بھی تیار نہین ہوتا۔ بلکہ اپنے لئے ننگ سمجھتا ہے۔ یہی چیز وہ ہے جس کے متعلق
امیرالمومنین ؑ نے نہج البلاغۃ مین ارشاد فرمایا ہے ۔ من اراد الغنی بغیر مال فعلیہ
بالقناعۃ " جو بغیر مال و دولت کے غنی و تونگر بننا چاہتا ہے وہ قناعت اختیار کرے "

اس قناعت کی مختصر تعبیر یہ ہے کہ ھوالکف عما فی ایدی الناس "وہ دوسرون کے ہاتھ مین جو اموال ہین اُن سے ہاتھ روکے رہنے کا نام ہے" اسطرح بھی کہ دست سوال دراز نہ کرے جو دناءت طبع اور پست فطرتی کا نتیجہ ہے اور اس طرح بھی کہ دست تعدی دراز نہ کرے جو شقاوت وقساوت، حق کشی اور ناحق کوشی کا نتیجہ ہوتا ہے' اسی کی دوسری لفظین یہ ہین۔ کہ ھوالرضا بالقسم وہ اپنی قسمت کے حصہ اور نصیب پر رضامندی کا نام ہے" لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ انسان اپنے ذاتی ذرائع واسباب اور محنت ومشقت کو بھی صرف نہ کرے اس لئے کہ اس صورت مین تو جو قسمت کا حصہ اور نصیب تھا۔ اس کو اس کے ملنے کی بھی توقع نہین کیونکہ مین ثابت کر چکا ہون کہ وہ ذاتی محنت ومشقت اور اسباب وذرائع کے مہیا کرنے کے ساتھ مشروط ہے اور اس بنا پر درحقیقت اپنے طاقت ومقدور کے مطابق اسباب وذرائع صرف کرنے سے پہلے قناعت کا محل استعمال ہی پیدا نہین ہوتا کیونکہ ابھی اندازہ ہی نہین ہوسکتا کہ مقسوم الٰہی اس کی نسبت کیا ہے' اصل قناعت کا محل استعمال اُس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب اسباب وذرائع ذاتی کے صرف کے بعد ایک نتیجہ پر پہونچ جائے۔ بیشک اب قناعت کا موقع ہے۔ اور اس وقت قناعت انسب واصلح اور انسان کی شان خودداری و بلند ہمتی کے لئے موزون وشایان بھی ہو۔

دوسری چیز قناعت فی المصرف ہے اس کے معنی روزمرہ کی اُردو زبان مین

یہ سمجھنا چاہئیں کہ جتنی چادر ہو اُتنا پیر پھیلائے۔ یعنی انسان اپنی آمدنی اور ضروریات
زندگی مین توازن کو قائم رکھے۔ جتنی انسان کی بساط ہو اُتنا ہی صرف بھی کرے۔
اور اُس سے زیادہ کا طالب نہ ہوا یہ قناعت وہ ہے جس کی حضرت سلمانؓ نے تعلیم
دی تھی جب انھون نے حضرت ابوذر غفاریؓ کی دعوت کی اور سوکھی روٹی سامنے
پیش کی ابوذرؓ کی زبان سے کہین نکل گیا کہ اس کے ساتھ نمک بھی ہوتا تو بہت اچھا
تھا۔ یہ سن کر حضرت سلمانؓ فرائض میزبانی کی نگہداشت اور مہمان کی خاطرداری کے
لئے گئے اپنا آفتابہ رہن کیا اور نمک خرید کر لائے غذا کے تناول کے بعد حضرت ابوذرؓ
نے کہا الحمد للہ الذی جعلنا من القانعین۔ شکر ہے اُس خدا کا جس نے ہم کو قناعت
گذار قرار دیا۔ یہ سننا تھا کہ حضرت سلمانؓ نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ یہ نہ کہو اگر
قناعت گذار ہی ہوتے تو اس آفتابہ کے رہن کی نوبت آتی ظاہری صورت سے واقعہ
بالکل معمولی ہے اور نمک کا معاملہ ہے لیکن درحقیقت اس کے ضمن مین ایک عظیم تعلیم
مضمر ہے اور وہ یہی کہ انسان کو بس جتنا موجود ہے اس مین اپنے ضروریات کو محدود
رکھنا چاہئے۔ اور نمک کی بھی ضرورت ہو تو اس کو قرض، عاریت، رہن وغیرہ عارضی
ذرایع سے حاصل نہ کرے۔

حقیقۃ یہ قناعت وہ ہے جس کا نہ ہونا مسلمانون کا ایک مستقل اور بہت بڑا مرض
ہے جس کے لئے خاص طور سے روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے اور جس نے مسلمانون کو
یہ روز بد دیکھنا نصیب کیا ہے؟

ایک مسلمان کبھی اپنی آمدنی و خرچ کا توازن نہیں قائم رکھتا۔ حیثیت معمولی اور مصارف امیرانہ، اچھے سے اچھا لباس، اچھے سے اچھی غذا اور اگر کہین کوئی تقریب ہوگئی جیسے شادی، زچہ خانہ، بچہ کا عقیقہ، ختنہ وغیرہ تو پھر تو روپیہ کے وارے نیارے وہ اولوالعزمی کہ العظمتہ للہ۔ حیثیت دس روپیہ ماہوار کی بھی نہیں لیکن شادی مین ہزارون روپیہ بیکار کے رسوم مین صرف کردئیے پھر آئین کہان سے؟ سودی روپیہ لیکر امکان زمین رہن کرکے نتیجہ کیا ہوا کہ گو شادی ہوئی خانہ آبادی لیکن کل وہ شادی ناشادی اور آبادی بربادی ہنگئی سود بڑھتے بڑھتے اصل کے برابر یا اُس سے بھی دوناچوگنا ہوگیا مہاجن نے دعوی کیا اور جو کچھ مال منقولہ غیر منقولہ تھا سب اُسکی نذر ہوا اور بعض اوقات نتیجہ وارنٹ و گرفتاری تک پہونچا۔ یہ سب نتیجہ کاہے کا ہے؟ آمدنی و خرچ مین توازن نہ رکھنے اور اپنی حیثیت کو خیال نہ کرنے اور اُس قناعت پر عمل نہ رکھنے کا جس کو انسان کے لئے ہر وقت اپنا نصب العین رکھنا ضروری ہے۔

یہ قناعت کے معنی ہین نہ یہ کہ انسان ذرائع کسب معاش کو چھوڑ بیٹھے اور کسب حلال نہ کرے بلکہ عاجز و درماندہ فقر و فاقہ کی حالت مین ساکت و خاموش بیٹھا رہے۔

الدنیا زور لا یحصل الا بالزور — اس حدیث شریف کے متعلق یہ سوال ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا صرف مکر و فریب

ہے اور بغیر مکر و فریب حاصل نہین ہو سکتی لہذا طلب دنیا کہ جس پر سابقہ بیانات مین زور دیا گیا ہے وہ جائز کیونکر ہو سکتی ہے؟

لیکن حقیقتہً یہ سوال ہمارے سابقہ بیانات پر غور کرنے میں فروگذاشت کا نتیجہ ہے۔ ہم نے طلب دنیا کے روشن اور تاریک دونون ہی پہلو پیش کئے ہین اور اس مین کوئی شبہ نہین کہ کوئی حکم جو کسی شے کے متعلق بتلایا جائے وہ اُس شے سے متضاد نہین ہو سکتا۔ مثلاً یہ کہنا کہ بیار صحیح ہے۔ سفید سیاہ ہے۔ متحرک ساکن ہے، خاموش گویا ہے۔ خشک تر ہے۔ گرم سرد ہے، وغیرہ وغیرہ غلط ہوگا اس لئے کہ جب بیار کو بیمار کہہ لیا تو اسکو صحیح کہنے کے کوئی معنی نہین۔ سفید کو سفید کہہ دیا تو سیاہ نہین اور وہ شے کہ جو متحرک ہے ساکن نہین اور خاموش گویا نہین۔ اور خشک تر گرم سرد نہین ہو سکتا اسلئے کہ متضاد اوصاف ہین جو قابل اجتماع نہین ہین

طلب دنیا جس کو ہم نے اسلامی تعلیم کا جزو بتلایا ہے وہ طلب حلال ہی اور کسب جائز کا نام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مکر و فریب عام مواقع کے اوپر حلال وجائز نہیں بلکہ ناجائز وحرام ہی ہے۔ تو اب اگر متذکرہ بالا احادیث مین دنیا سے مراد یہی طلب حلال وکسب جائز ہو تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ طلب حلال حرام ہے اور بغیر ذرائع حرام کے حاصل نہین ہو سکتا یہ جملہ ویسا ہی ہے جیسے سفید سیاہ اور خشک تر ہے وغیرہ وغیرہ۔

لہذا بہ مناسبت حکم یہ یقینی ہے کہ دنیا سے مراد وہی دنیا ہے جس کی انتہائی تاریک تصویر مین سابق مین پیش کر چکا ہون۔ اس سے صرف یہی حدیث نہین بلکہ اس کے ایسے

جتنے احادیث مذمت دنیا مین وارد ہوئے ہین جن کی کمی نہین بلکہ کتب احادیث
واخلاق اُن سے چھلکے ہے ہین اُن سب کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے اور معلوم
ہوتا ہے کہ اُن کو ذرائع حلال کے واسطے طلب معیشت کیساتھ کوئی تعلق نہین ہی

الدنیا سجن المومن وجنتہ الکافر اس حدیث سے بھی یہ ترشح ہوتا ہے کہ جب معصوم کا ارشاد ہو کہ دنیا مومن کے لئے
قیدخانہ اور کافر کے لئے بہشت ہی تو اب جو شخص ایمان کے درجہ پر فائز ہی اسکو تو اس
دنیا مین کسی راحت و آرام کی توقع ہی نہ کرنا چاہیئے اور اُسی زندگی کے لئے تیار رہے
جو قیدیون کے لئے ہوا کرتی ہی۔ لہذا طلب معیشت و کسب دنیا مین کوشش سب
بیکار رہی، یہ وہ خیال ہی۔ جو حدیث کے ظاہری الفاظ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن امام علیہ السلام
نے حدیث کے صحیح معنی بیان فرماکر اس خیال کو بالکل غلط کردیا ہی۔ وہ موقع جب امام رضا
حشم و خدم ساتھ ایک رستہ سے گذر فرما رہے تھے۔ اور رستہ مین ایک یہودی
فقر و فاقہ کی مصیبت مین گرفتار مرض مین مبتلا گلی مین پڑا ہوا تھا۔ اُس یہودی نے
امام کو اس شان وشوکت سے دیکھکر حضرت کو اپنے قریب بلایا اور کہا کہ دیکھئے مین اسوقت
آپ کے نانا کے قول کو غلط ثابت کرتا ہون، اُنکا قول ہی کہ الدنیا سجن المومن وجنتہ الکافر
اور یہ ظاہر ہے کہ آپ بموجب عقیدۂ اسلام مومن اور مین کافر ہون لیکن آپ اس وقت
بہتر سے بہتر حال مین اور مین بد سے بدتر حالت مین ہون۔ امام نے فرمایا کہ تم قول رسول کا
مطلب صحیح نہین سمجھے، بیشک دنیا مومن کے لئے قیدخانہ ہی اور کافر کے لئے بہشت اسکے

معنی یہ ہین کہ مومن کے لئے آخرت مین ایسی ایسی نعمتین ہین کہ وہ ان کے مقابل مین اگر دنیا کو دیکھے تو وہ اپنی تمام زیب و زینت سمیت قید خانہ معلوم ہوگی اور کافر کے لئے آخرت مین وہ سخت ترین عذاب ہین کہ وہ اُن کے مقابل میں دنیا کو دیکھے تو وہ اپنی تمام تکالیف و مصائب سمیت بہشت معلوم ہوگی۔

اس کے یہ معنی نہین کہ مومن کے لئے راحت و آرام اور کافر کے لئے مصیبت و تکلیف کا ہونا اس دنیا مین بالکل ناممکن اور غیر قابل وقوع ہے۔

کسب معیشت کا وسیع مفہوم

سابقہ بیانات سے میرا جو کچھ بھی مقصد ہے اور اسلامی تعلیمات سے جو کچھ بھی ثابت کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہ کہ انسان کو بیکار نہ رہنا چاہیئے۔ بلکہ اپنی ذاتی محنت و مشقت سے اپنی بسر زندگی کا سامان کرے اور اپنے اور اپنے اہل و عیال کا آزوقہ مہیا کرے اور اگر قوت و طاقت وفا کرے تو اس سے زیادہ حاصل کر کے بندگان خدا کو فائدہ پہونچائے، قومی و مذہبی کامون مین صرف کرے اور اس طرح دنیا کو تمہید آخرت بنا کر دنیا و آخرت دونو کا مالک ہو۔ یہی ہے کسب معیشت اور طلب حلال کا مفہوم اس کے وسائل و ذرائع کسی خاص صورت مین محدود نہین ہین اور نہ اس کے لئے یہی ضرورت ہے کہ انسان دوکان رکھے اور کسی چیز کی خرید و فروخت ہی کرے جس کی وجہ سے ایک طرف یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ آج کل تجارت مین فائدہ مفقود ہو گیا ہے۔ جو لوگ اس شعبہ مین عمرین گذار چکے ہین وہ بھی اب ان مشکلات سے عاجز و حیران نظر آ رہے ہین۔

جو اُن کو پیش آتی ہین - اور عام طور سے کساد بازاری نے اُن کو فنا کے درجہ تک
پہونچا دیا ہے دوسری طرف اکثر وہ افراد جو درحقیقت کسب معیشت کے طریقہ پر
عملی طور سے قائم ہین - وہ بھی کسب معیشت کے معنے دوکان رکھنے مین ہین -
محدود سمجھکر اپنے طرز عمل کی تبدیلی پر غور کر رہے ہین - اسلئے اس امر کا واضح کرنا
ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسب معاش کا مفہوم اتنا محدود نہین ہے - جیسا کہ خیال
کیا جا رہا ہے - کسب معاش کا مفہوم وسیع ہی -

اپنی ذاتی محنت و مشقت کے معاوضہ مین سامان زندگی فراہم کرنا اسکی
صورتین مختلف ہین ایک صناع جو اپنی صنعت و حرفت سے روپیہ کماتا ہی - ایک
معمار - نجار - بیلدار مزدور جو دن بھر کام کرتا ہی اور اجرت لیتا ہی - ایک انشا پرداز
جو اپنے قلمی خدمات کے ذریعہ سے زندگی گذارتا ہی ایک مدرس جو جائز علوم کی تعلیم کے سلسلہ
مین کسی کالج، اسکول، مدرسہ سے تعلق رکھتا ہی - ایک طبیب جو حدود شرع کے اندر
طبابت کی فیس لیکر بسر اوقات کرتا ہے - یہ سب ہی کسب معاش اور طلب حلال کے فریضہ
پر عملدرآمد کرنے والے ہین - اور انکا طرز عمل کسی حیثیت سے قابل اعتراض نہین ہی -

تقسیم عمل کی بنا پر طریق کار مین اختلاف - یقیناً تقسیم عمل کے اصول پر نظام اجتماعی
کے لئے یہ صورت ممکن نہین ہی کہ سب ہی افراد دوکان کھولین اور تجارت شروع کر دین اسلئے کہ اس
صورت مین اہم قومی و مذہبی و اجتماعی کاروبار بند ہو جاینگے اور نظام اجتماعی درست نہوگا اسلئے
ہر شخص کو اپنے فرائض و حیثیات پر نظر کرتے ہوئے خود اپنے مناسب حال طریق کار کے تجویز

کرنے کا حق ہے جس کے بعد اس سوال کا موقع نہیں ہے کہ تم تجارت ہی کیوں نہیں کرتے ؟

یقیناً اسطرح قوم میں ضرورت ہے کہ ایک طبقہ تجار کا ہو اسیطرح ضرورت ہے کہ مثلاً ایک طبقہ اطبا کا ہو ایک طبقہ اہل صنعت و حرفت و دستکار لوگوں کا ہو، ایک طبقہ واعظین کا ہو ایک طبقہ علما کا ہو وغیرہ وغیرہ تاکہ نظام قومی کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی رہیں بیشک ان میں سے ہر طبقہ کو جہانتک موقع ہو اپنے مناسب حال کسب معیشت کے طریقہ کو اختیار کرنا چاہیے لیکن ضروری نہیں کہ وہ تجارت یا دوکانداری ہی ہو، جناب رسالتمآب نے قبل بعثت اموال خدیجہ کی تجارت فرمائی بعد بعثت تبلیغی ضرورتیں اور نبوت ورسالت کے فرائض اتنے اہم تھے کہ اب اگر قائم و دائم طریقے سے وہی سلسلہ قائم رہتا تو حضرت کے لئے ان فرائض کا پورا کرنا ناممکن تھا۔ اسلئے حضرت کی سیرت میں اسکے بعد سے مستمر طریقہ سے تجارت پر عملدرآمد نظر نہیں آتا اور اسی طرح ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت میں بھی ایسا نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی عمر ہی تجارت میں گذاری ہو اور دوکان پر بیٹھے ہوئے زندگی ختم کی ہو۔ اسلئے کہ انکے فرائض اس سے مانع تھے بیشک پتا ہے کہ انھوں نے یہ دکھلانے کیلئے کہ تجارت عار و ننگ نہیں ہے اور تعلیم دینے کی غرض سے کبھی کبھی یہ صورتیں بھی اختیار کرکے دکھادیں چنانچہ رسالتمآب کے متعلق ایکدفعہ کا تذکرہ جو نبوت کے بعد کا ہے سابقا ہوچکا ہے جسکو امام جعفر صادق نے اپنی حدیث میں ذکر فرمایا ہے کہ ان رسول اللّٰہ اشترٰی عیرا اتت من الشام فاستفضل فیہا ما قضیٰ دینہ وقسم فی قرابتہ " رسالتمآب نے شام سے ایک تجار کا قافلہ آیا تھا اس کے مال کو خرید فرماکر تجارت کی اور جو نفع حاصل ہوا اس سے اپنے قرضے ادا کئے اور اپنے اعزا کی خبر گیری کی، اور یہی صورت ائمہ معصومین علیہم السلام کی ہے۔

علماءِ ملت اگر تجارت اور صنعت و حرفت وغیرہ کو ننگ و عار سمجھیں اور حقارت کی نظر سے دیکھیں تو بیشک قابلِ اعتراض اور تعلیمات اسلامی کے بالکل خلاف ہے۔ لیکن اگر وہ تجارت کو بہ نظرِ استحسان دیکھتے ہوئے خود اپنے فرائض کی بنا پر اسکو بطور پیشہ اختیار نہ کریں اور دوسرے جائز و مستحسن ذرائع سے اپنے کسبِ معیشت کا سامان کریں تو اس اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے کہ علماء تجارت کیوں نہیں کرتے ؟

علمائے ملت اور واعظین کا فرض بیشک علماء و واعظین پر یہ فرض ضرور عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہدایات و بیانات سے قوم کی ذہنیت کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں اور جو غلط خیالات راسخ ہو گئے ہیں اُنکی کمزوری کو واضح کریں اور اس ذہنیت کے تبدیل کرنے میں اگر کسی اقدام عمل کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کریں اس لیے کہ یہ غلط خیالات وہ ہیں جو قوم کو تنزل کے اُس عمیق گڑھے میں لے جا رہے ہیں جس سے ابھرنا دشوار نہیں بلکہ ناممکن ہو گا۔

صورت عمل یا طریق علاج اسکے لئے ضرورت ہے کہ قوم کے افراد کو اپنی کمزوری کا احساس ہو اور وہ اس کے تدارک کیلیے آمادہ ہو جائیں۔ ہماری قوم میں انجمن سازی کا شوق تو ہے مگر اسکا اہم کام اور وہ ابتک کسی انجمن کے خدمات سے محروم ہے ضرورت ہے کہ ہر ہر محلہ میں انجمنیں قائم ہوں خطباء و واعظین سے قوم کی اقتصادی تباہی اور تجارت کی اہمیت پر تقریریں کرائیں جائیں ایسے شخص کو جو دوکان رکھنا چاہے ہر قسم کی اخلاقی امداد پہونچائی جائے اور اُسکی دوکان کو اپنی دوکان سمجھکر اُسکی مفاد کی بہبودی پر نظر ہو۔ جو جذبۂ قومیت کے تحت میں ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس جذبۂ قومیت کے

نقدان کا یہ نتیجہ ہے کہ جو بیچارہ اس سلسلہ مین قدم بھی رکھتا ہی۔ اُسکو دوسرے ہی دن ناکامی کا منھ دیکھنا پڑتا ہی۔ اسلئے کہ ادھر اُس نے دوکان رکھی اور احباب و برادران کو خبر ہوئی دوسرے ہی دن آداب عرض اور سلام علیکم اپنے سابقہ تعلقات اور قدیمی دوستی و روابط کا پتہ دیتے ہوئے یہ سوال پیش ہوا کہ اتنا قرض دیدیجئے اُس بیچارے کے مشکلات سے کوئی غرض نہین کہ ابھی اُسکی پونجی کم ہے۔ ابتدائی منزل ہے کتنی۔ دشواریان پیش ہونگی اور کیا مشکلات اُس کے سامنے ہونگے یہ کچھ نہین غرض تو اپنے مطلب سے ہے چاہے اُس کا نتیجہ جو کچھ ہی ہو۔ اب اگر اُس نے مروت و دوستی سے مرعوب ہو کر خواہش کو پورا کر دیا تو دوسرے صاحب تشریف لائے اور تیسرے نتیجہ یہ ہوا کہ دوکان دوستون کی نذر ہوئی اور نفع کے عوض نقصان اُٹھانا پڑا اور اگر کہین اُس بیچارے نے اپنے مشکلات پیش کرتے ہوئے عذر کیا۔ تو بس پھر کیا تھا۔ آئینہ خاطر پر غبار آیا۔ آبگینوں کو ٹھیس لگی۔ اور کہا کہ جب اتنا بھی نہوا تو اپنی ہم قوم سے فائدہ کیا۔ ہم غیرون کی دوکان سے خریدینگے۔ اس دوکان سے اب نہ لین گے۔

حضرات یہ نتیجہ ہے قومیت کے نہ ہونیکا اور شخصی مفاد پر قومی ہمدردی کو قربان کر دینے کا انجام یہ ہوا کہ غیرون نے اُس دوکان سے نہ خریدا اپنے احساس قومیت اور اس خیال سے کہ اپنوں کو چھوڑ کر غیرون کے پاس نہ جائین اور اپنوں نے نہ خریدا اپنی عدم احساس قومیت سے آخر دوکان ٹوٹ گئی اور جو منظور تھا حاصل نہوا اگر یہی ونہار رہا اور یہی صورت حال تو کامیابی معلوم اور ملت اسلام کو آخری سلام۔ والسلام فقط

ختم شد

حجج و بینات

اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جو عالم اسلام میں ظاہر ہوئی ہے سال گذشتہ عراق میں مشاہد مشرفہ
ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم سے جو حیرت انگیز مظاہر قدرت یعنی معجزات ظاہر ہوئے
اُنکے مستند تفصیلی واقعات ذاتی تحقیقات اور مستند ذرایع سے تصدیق شدہ معلومات حاصل کر کے
ایک جا شایع کر دیے گئے ہیں جو اہل ایمان کے لیے بصیرت افروز اور تمام مذاہب و اقوام کے مقابل
میں صداقت و حقانیت کی دلیل ہیں، یہ کتاب بھی حضرت سید العلماء مولانا السید علی نقی
صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہ کا نتیجہ قلم اور ان ہی کی ذاتی تحقیقات اور کاوش کا نتیجہ
ہے جو کتاب کی ادبی منزلت اور استناد و اعتبار کی حیثیت کے لیے بہترین ضمانت ہے
۲۰×۲۶ کی تقطیع پر اعلی کاغذ و طباعت کے ساتھ تیار ہے اور جس میں متعدد شفا یافتہ افراد
کے فوٹو بھی شامل ہیں جو کتاب کی دیدہ زیبی اور نیز اُسکے اعتبار و استناد میں اضافہ
کا باعث ہوئے ہیں قیمت علاوہ محصول ڈاک ایک روپیہ (عہ/)

ملنے کا پتہ: سید ابن حسین سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

امامیہ مشن کے تبلیغی رسالے

نمبر	رسالہ		قیمت		خرچہ ڈاک
(۱)	قاتلان حسینؑ کا مذہب	(تیسرا ایڈیشن)	قیمت ۴ر	خرچہ ڈاک	۱ر
(۲)	تحریف قرآن کی حقیقت	(دوسرا ایڈیشن)	〃 ۶ر	〃	۱۰ر
(۳)	مولود کعبہ	(دوسرا ایڈیشن)	〃 ۱ر	〃	۰ر
(۴)	وجود حجت	(دوسرا ایڈیشن)	〃 ۴ر	〃	۱ر
(۵)	اصول دین اور قرآن		〃 ۴ر	〃	۱ر
(۶)	اتحاد الفریقین	(دوسرا ایڈیشن)	〃 ۴ر	〃	۱ر
(۷)	حسینؑ اور اسلام	(ہندی)	〃 لـر	〃	۰ر
(۸)	〃	(اردو)	〃 ۰۱ر	〃	[illegible]
(۹)	〃	(انگریزی)	〃 ۲ر	〃	۰
(۱۰)	متعہ اور اسلام		〃 ۶ر	〃	۱۰ر
(۱۱)	امامت ائمہ اثنا عشر اور قرآن		〃 ۰ر	〃	۰ر
(۱۲)	تجارت اور اسلام		〃 ۴ر	〃	۱ر

ملنے کا پتہ، سید ابن حسین سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

الحمد للہ والمنة کہ این کتاب مستطاب در ابطال
مذہب اہلسنت و احقاق مذہب شیعہ امامیہ مسمی بہ

تبلیغ البالغ

لازالت حجة بالغہ

یکے از تالیفات عالیجناب فیض مآب جناب حکیم
مولوی شیخ احمد صاحب دامت برکاتہ صفر ۱۳۱۳

بمقام لکھنؤ
در مطبع اثنا عشری باہتمام سید محمد عابد علی ضوفشان طبع گردید